اصول دین اور قرآن

				683,330
				-
				-
			105,000	405,000
314,000	-	-	278,206	2,476,536

اصولِ دین اور قرآن
ناشر
امامیہ مشن پاکستان (رجسٹرڈ) لاہور

اُصُولِ دین اور قرآن

سلسلۂ اشاعت نمبر	۱۶۴
تعداد اشاعت	۶۵۰۰
تاریخ اشاعت	جنوری ۶۴ء
مطبع	نامی پریس۔ لاہور
قیمت	سوا روپیہ

مصنّفہ

سرکار سیّد العلماء مولانا الحاج سیّد علی نقی النقوی صاحب قبلہ

ناشر

امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ - لاہور

امامیہ مشن پاکستان (ٹرسٹ)

کے سلسلۂ اشاعت کا ایک سو چونسٹھواں نمبر "اصولِ دین اور قرآن" آپ کے پیش نظر ہے۔

جنوری ۱۹۲۶ء کا ذکر ہے کہ جماعت احمدیہ لکھنؤ کی جانب سے ایک اشتہار شائع ہوا۔ جس میں علماء کرام سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اصولِ دین کا جواز قرآن مجید سے ثابت کریں۔ چنانچہ سرکار سید العلماء مدظلہٗ نے جو ان دنوں حوزہ علمیہ نجف اشرف میں تحصیل علم میں معروف تھے ۔اس اشتہار کے جواب میں قلم اٹھایا چنانچہ ان کے بلند پایہ مضامین الواعظ لکھنؤ اور دیگر شیعہ جرائد میں شائع ہوئے موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر بہت عرصہ پہلے امامیہ مشن لکھنؤ نے ان کو کتابی شکل میں شائع کیا تھا اور اب یہ سعادت ہمیں حاصل ہو رہی ہے۔

اُمید ہے کہ آپ اس کو پسند فرمائیں گے۔ والسلام

آنریری جنرل سیکرٹری

ترتیب

نقل اشتہار منجانب جماعت احمدیہ لکھنؤ

جماعت احمدیہ لکھنؤ

کے خوشی کی اس وقت انتہا ہی نہیں رہی جب سے اسکو یہ علم ہوا کہ مدرسۃ الواعظین کا سالانہ جلسہ ۱۴، ۱۵، ۱۶ جنوری ۲۸ء کو منعقد ہوگا چونکہ بفضلہ تعالیٰ یہ مجمع اہل علم کا ہے جس کی ادنیٰ بزرگی کا مرتبہ اس کے سامعین کے عظمت و وقار سے اندازہ ہو سکتا ہے جس میں شرفاء، نجباء، وکلاء، علماء، نوابین، والیان تک جلوہ افگن ہیں۔

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علماء کی پیشگاہ عالی میں باادب عرض کیا جائے کہ قرآن کریم نہایت شدومد سے صرف پانچ چیزوں کا نام لیکر اُس پر ایمان لانے کی تاکید کرتا ہے اور وہ پنجتن پاک یہ ہیں، توحید رسالت، کتب، ملائکہ، معاد، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی انہیں پانچ چیزوں کو قرآن کریم نے بتایا ہے اور انہیں پانچ باتوں پر آپ کا ایمان تا وفات رہا جس کو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا لیکن اس ایمان کے خلاف ایمان رکھنے والے کو خدائے تعالیٰ نے فقد ضل ضلالاً بعیداً فرمایا ہے۔ اب اسکے علاوہ اگر کوئی اور چیزوں پر ایمان رکھے اور نہایت ہی عمدہ کام کرے حتیٰ کہ محبت اہلبیت علیہ السلام ہی کی کیوں نہ ہو یا اعمال فریضہ ہی کیوں نہ ہوں وہ سب کے سب بیکار و خبط ہو جائیں گے

اُن کا کوئی بدلہ نہ ملے گا جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ومن یکفر بالایمان فقد حبط
عملہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین لیکن حضرات اثنا عشری صاحبان نص مبین کے
خلاف ایمان کی یوں تعلیم فرماتے ہیں۔ توحید، عدل، نبوت، امامت، قیامت، اب
جائے تعمق ہے کہ یہ تعلیم سلیم ہم کو کہاں سے دی جاتی ہے جس کا تذکرہ قرآن کریم
میں کسی رنگ میں بھی نہیں پایا جاتا ہے پس اس اختلاف و لبعد کا ثبوت علمائے
اہل دانش سے طلب کرنا ضروری ہے کیونکہ معاملہ ایمان کا ہے۔ جس پر تمام کمال
انسانی کے حاصل کرنے کا منتہا ہے۔

اس مقام پر صرف لفظ امامت کو دریافت کرنا ضروری ہے اس لئے کہ وہ غیر
نبوت ہے اس پر قرآن حمید میں ایمان لانا کہاں مسطور ہے جو یہاں ایمانیات میں مستغرق
کیا جائے اس لئے کہ نبی کریم صلوات اللہ علیہ وسلم کی فعلی شہادت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے
کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب کسی کو مسلمان بنایا تو اس کو آپ نے اسی ایمان کی
تلقین فرمائی جس کو قرآن کریم نے ظاہر فرمایا ہے اور ایمان لانے والے کو بھی سخت ہدایت
فرمائی کہ خبردار بجز نبیوں کے کسی غیر نبی پر ایمان نہ لانا مگر اس جگہ تعجب معلوم ہوتا ہے کہ جونہی
آپ کی وفات ہوتی ہے فوراً ہی اشاعت ہوتی ہے کہ جب تک امامت پر (جو غیر نبوت ہے)
ایمان نہ لاؤ گے اس وقت تک باب خلد کا منہ نہ دیکھو گے گویا عہد نبوی کے مسلمانوں کا ایمان
اور بعد وفات آپکی مسلمانوں کا ایمان اور ہے العجب ثم العجب ہاں یہ بات سچ ہے کہ عربوں
کی اصطلاح میں لفظ امامت سے مراد نبوت ہوا کی ہے جیسا کہ پروردگار عالم نے فرمایا ہے

وو ھبنا لہ اسحٰق و یعقوب اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم کی امامت سے مراد نبوت تامہ ہی تھی لیکن موجودہ ساختہ عقیدہ کی رُو سے اس اُمت مرحومہ اور انتخاب شدہ میں ایسے آئمہ طاہرین کا دروازہ بند ہے جس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ (۱) یہ کہ امت محمدیہ تمام کی تمام ظالم ہوگئی ہے جس وجہ سے اوّل ذریت ابراہیم علیہ السلام کا سا امام آخری ذریت ابراہیم میں برپا نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا کا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا، اور ایسا فرمانا ہتک اہلبیت کی ہوگی۔

(۲) یا یہ تکلیف قبول فرمائیے کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں اس وجہ سے اُن کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا تھا اہلبیت علیہ السلام کیوں کر نبی ہو سکتے تھے تو یہ جرأت ایک طرفہ کار ہوگی کہ بعد خاتم النبیین کے بنی اسرائیل کے حضرت عیسٰی علیہ السلام تو نبی ہو کر مبعوث ہوں اور اُمت محمدیہ میں آکر وہ کام کریں جو خاتم النبیین اور خیبر شکن جناب امیر علیہ الصلوٰۃ سے نہ ہو سکیں یعنے زمین سے کفر مٹا دینا اور تمام دنیا کا ایک مذہب کر دینا لیکن خاتم النبیین ان کے مبعوث ہونے سے پھر بھی مانع نہیں آتا۔ مگر وائے قسمت کہ امام ظہور علیہ السلام خاتم النبیین کی رُو سے نبی نہیں ہو سکتے، اور آپ خوشی سے اس کا اقبال فرما رہے ہیں،

ایسی صورت میں حضرات فرمائیں کہ خاتم النبیین کے کیا معنی ہونگے جبکہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی نبی مبعوث ہو رہا ہے، ہمارے اس مطالعہ میں کسی ذی شعور کا یہ فرمانا قابل سمع نہ ہوگا کہ حضرت عیسٰی پہلے نبی ہو چکے ہیں اس لئے اُن کا

مانع خاتم النبیین نہیں ہوسکتا تو واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کی قید لگاکر پہلے ہی نبیوں کو رو کا ہے ورنہ حضرت عیسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّل و آخر نبی ہونگے اور اُن کی نبوت اور وحی ہمارے لئے مطاع ہوگی جو مخالف نص صریح ہے غرض یا تو آپ امامت کو مثل امامت اسحٰق و یعقوب تسلیم فرمایئے تب اُن کو داخل ایمانیات کیجئے اور پھر ہم کو اُن کی وہ وحی دکھلایئے جو اُن پر نازل ہوئی جسمیں خدائے تعالیٰ نے اُن کو نبی کہہ کر پکارا ہو۔ اور آئمۃ علیہم السلام نے اس وحی کی اشاعت کی ہو اور لوگوں کو اپنی نبوت کی دعوت دی ہو ورنہ خالی آپ کا اُن کو نبی یا نبیوں سے افضل فرمانا مفید اذہان عقلاء کے نہ ہوگا۔

تمتۂ کلام یہ ہے کہ ابطال کیلئے صرف یہ ہی کافی ہے کہ آپنے جو ایمان تراشا ہے اُس کا وجود تمام قرآن شریف میں نہیں ہے اور نہ آج تک کسی کتب سماویہ میں غیر نبی پر ایمان لانا پایا جاتا ہے۔ فرمایئے آپنے یہ ایمان کہاں سے پایا ہے جس کی نفی قرآن شریف کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس کے خلاف ایمان رکھنے والے کے اعمال حبط ہونگے ورنہ صرف اعمال ہی حبط ہونگے۔ بلکہ ایسے لوگوں کے لئے قرآن کا فیصلہ ہے یا ایھا الذین امنوا اٰمنوا باللہ و رسولہ والکتاب الذی نزل علیٰ رسولہ والکتاب الذی انزل من قبل و من یکفر باللہ وملئکتہ وکتبہ و رسلہ والیوم الاٰخر فقد ضل ضلالاً بعیدا ہ

خاکسار حسام الدین احمد احمدی اکبر آبادی ثم بشیرت گنج لکھنؤ

۱۴ / جنوری ۲۸ء

جناب مشتہر صاحب کا وہ خط جو جناب مولانا قاسم علی صاحب سابق مدیر "الواعظ" مرحوم کو لکھا تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کو اپنے اعتراضات پر کتنا اعتماد ہے اور وہ اُن کو کس درجہ ناقابل جواب خیال کرتے ہیں۔

مکرمی اڈیٹر صاحب الواعظ دام اقبالہم

اسلام علیکم۔ عید مبارک۔ قبلہ ماہ رجب واقعہ نگاری میں صرف ہوا ماہ صیام اطاعت گزاری میں گزر گیا، مگر حسب وعدہ آنجناب اشتہار کا جواب آپ کی طرف سے نہ موصول ہوا۔ آج قبلہ وکعبہ مداح شاہ زمن سید سبط حسن صاحب کو پھر خط لکھ رہا ہوں متوقع ہوں کہ جناب میرے جواب کی طرف التفات فرمائیں گے۔

اڈیٹر صاحب سہیل یمن کو بھی ذریعہ تحریر توجہ دلاتا ہوں خدا کرے کہیں وہی جواب دے جائیں مگر اُمید نہیں انشاء اللہ کل نواب صاحب رامپور کو بھی ایک رجسٹری بھیجتا ہوں دیکھوں وہ کیا جواب دیتے ہیں ورنہ ایک تحریک اور اخباروں کے ذریعہ کر کے انشاء اللہ ایک مستقل ٹریکٹ مفت تقسیم کروں گا آپ کی طرف سے اُمید ہے کہ جواب شائع وذائع ہو جائے۔ زیادہ والسلام خیر خیام مرزا حسام

۲۰ر اپریل ۱۹۲۸ء

اُصول دین اور قرآن (۱)

نمبر ا

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید المرسلین و آلہ الطاھرین

تحقیق مذہب اچھی چیز ہے اگر انصاف کے ساتھ ہو ہمارے سامنے مذہب شیعہ کے اصول پر معترضانہ سوال کیا جا رہا ہے کہ "قرآن کریم صرف پانچ چیزوں کا نام لے کر اُس پر ایمان لانے کی تاکید کرتا ہے اور وہ پنجتن پاک یہ ہیں توحید، رسالت، کُتب، ملائکہ، معاد، پھر مذہب شیعہ کے اُصول میں یہ پانچ چیزیں کیونکر قرار دی گئی ہیں کہ توحید، عدل، نبوت، امامت، قیامت یہ تعلیم اس ایمان کے خلاف ہے جس کی قرآن نے تعلیم دی ہے۔"

ہم اس اعتراض کے بنیادی مطالب پر ایک تحقیقی نظر ڈالنا چاہتے ہیں خدا کرے کہ اصل اعتراض خوش نیتی اور انصاف پر مبنی ہو ورنہ عالم کی دلیلیں اور دنیا کے جج وبراہین بیکار ہیں۔

قرآن میں اصول دین کی تصریح

توحید و نبوت و معاد باجماع امت اصول دین میں داخل ہیں اور کوئی مسلمان

---

(۱) الواعظ لکھنؤ جولائی ۱۹۳۳ء ج، نمبر ۷

اس سے انکار نہیں کر سکتا مگر کیا قرآن مجید سے کوئی ایسی آیت پیش کی جا سکتی ہے جو صاف صاف ان چیزوں کو اصول دین میں داخل کرتی ہو؟ یقیناً اگر تمام قرآن کی صفحہ گردانی کی جائے اور حفاظ قرآن کی جماعت بیٹھ کر ایک ایک آیت کا ورد کرے تب بھی کوئی آیت ایسی نہیں پیش کی جا سکتی جس میں بتایا گیا ہو کہ توحید نبوت معاد اصول دین میں داخل ہیں اگر کوئی آیت قرآن میں موجود ہو تو پیش کی جائے ہم بہت اشتیاق سے منتظر ہیں۔

معترض کی پیش کردہ آیت پر ایک نظر

سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن میں پانچ چیزوں پر ایمان کو خصوصیت سے بتایا گیا ہے وہ آیت یہ ہے یاایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ ورسولہ والکتاب الذی نزل علیٰ رسولہ والکتاب الذی انزل من قبل ومن یکفر باللہ وملائکتہ ورسلہ والیوم الاٰخر فقد ضل ضلالاً بعیدا (سورۃ نساء) اس آیت میں پانچ چیزوں کو اصول دین تبلایا گیا ہے لہٰذا جو شخص اس سے زیادہ کسی چیز کا عقیدہ رکھے وہ من یکفر بالایمان فقد حبط عملہ کا مصداق ہے۔"

اس بات کو جانے دو کہ من یکفر بالایمان کے معنی یہ ہیں جو شخص ان چیزوں کا انکار کرتا ہے اس کا عمل حبط ہوگا" نہ یہ کہ جو ان چیزوں کے اعتقاد کے ساتھ کسی اور چیز کا اعتقاد بھی رکھے اس کا عمل رائگاں کر دیا جائیگا" لیکن معترض سے یہ سوال ہے کہ کیا جس چیز پر قرآن میں ایمان کی ہدایت کی گئی ہو یا جس چیز کے کفر پر ملامت کی گئی ہو وہ اصول

دین میں داخل ہے؟ اگر یہ معیار تسلیم کر لیا جائے تو ہم اصولِ دین آپ کو گنوائے دیتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ آپ کے مذکورہ اصول کے علاوہ کتنی چیزیں قرآن سے ثابت ہو جاتی ہیں،

پہلی آیت صیغۂ اُٹھنے کی ضرورت نہیں سورہ بقر کی دوسری آیت ملاحظہ ہو۔

الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؁	اس کتاب (قرآن) میں کسی شک کی گنجائش نہیں، یہ ہدایت کا ذریعہ ہے ان باتقویٰ لوگوں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے انفاق کرتے ہیں اور وہ کہ جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب کے ساتھ جو تم پہ نازل ہوئی

ہے اور جو تمہارے قبل اُتری تھی اور آخرت کے ساتھ یقین رکھتے ہیں۔

اس آیت میں معترض کے متذکرۂ بالا پانچ اصول کے علاوہ غیب پر ایمان کا بھی تذکرہ ہے، اگر بعض اکابر مفسرین کی موافقت میں غیب کے معنی امام غائب کے مان لئے جائیں تو پھر فیصلہ ہے معترض کی محنت پر بالکل پانی پھر جائے گا اور امامت اصول دین میں ثابت ہو جائیگی لیکن اگر اس سے قطع نظر کیا جائے تب بھی اصول خمسہ کے علاوہ ایک چھٹی چیز (غیب) ثابت ہو گئی اور لطف یہ ہے کہ اسی کے بعد صاف اعلان کیا گیا ہے کہ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؁

(یعنی) یہ لوگ جو مذکورہ بالا چیزوں پر ایمان لاتے ہیں یہی اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا معیار یہی چیزیں ہیں۔

دوسری آیت۔ ان الذین لا یومنون بایات اللہ لا یھدیھم اللہ ولھم عذاب علیم (سورہ نحل) جو لوگ خدا کے آیات پر ایمان نہیں لاتے ان کو خدا ہدایت نہیں کرتا اور ان کے لئے عذاب دردناک مقرر ہے۔

اس مضمون کے آیات بہت ہیں جن میں آیات قرآن پر ایمان کی دعوت دی گئی یا اس کفر پر تہدید کی گئی ہے۔ قل یا اھل الکتاب لم تکفرون بایات اللہ (سورہ آل عمران) ان الذین کفروا بایتنا سوف نصلیھم نارا (سورہ نساء) باء و لغضب من اللہ وضربت علیھم المسکنۃ ذالک بانھم کانوا یکفرون بایات اللہ (سورہ آل عمران) انما یفتری الکذب الذین لا یومنون بایات اللہ (سورہ نحل) یا عباد لا خوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون الذین امنوا بایتنا وکانوا مسلمین (سورۂ زخرف) واذا جاءک الذین یومنون بایتنا فقل سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (سورہ انعام) رحمتی وسعت کل شیئی فسا کتبھا للذین یتقون ویوتون الزکوۃ والذین ھم بایتنا یومنون (سورہ اعراف) ان الذین ھم من خشیۃ ربھم مشفقون والذین ھم بایات ربھم یومنون (سورۂ مومنون) کفروا

بآیات اللہ فاخذھم اللہ بذنوبھم (سورۂ انفال) ذلک جزاءھم بانھم کفروا بآیاتنا (سورۂ اسراء) اولٰئک الذین کفروا بآیات ربھم ولقائہ فحبطت اعمالھم (سورۂ کہف) وکذلک نجزی من اسرف لم یومن بآیات ربہ والعذاب الاخرۃ اشد وابقیٰ (سورۂ طٰہٰ)

یہ توہم کیا جا سکتا ہے کہ خدا کے آیات پر ایمان کتب پر ایمان کا مرادف ہے نئی چیز نہیں لیکن یہ توہم درست نہیں ہے کیونکہ اوّل تو آیات آلٰہیہ کے معنی ہیں خدا کی نشانیاں جس سے مراد معجزات و عجائب قدرت ہیں۔ لہٰذا ایمان بالکتب سے کوئی ربط نہیں ہے، دوسرے اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اس سے مراد آیات لفظیہ ہیں تب بھی ایمان بالکتب سے مراد یہ ہے کہ اجمالی طور سے اعتقاد رکھے کہ مثلاً توریت و انجیل و زبور خدا کی طرف سے نازل ہوئی کتابیں ہیں لیکن ایمان بالآیات سے مضامین آیات آلٰہیہ اور اُن کے مطالب کا اعتقاد مراد ہے ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، دیکھو یہ ساتویں اصل ہے جس کو قرآن بتلا رہا ہے۔

تیسری آیت، فآمنوا باللہ و رسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ وکلماتہ (سورۂ اعراف) ایمان لاؤ خدا کے ساتھ اور اسکے اس نبی امی رسول کے ساتھ جو خدا پر اور اس کے کلمات پر ایمان لاتے ہوتے ہے،

اس آیت میں ان پانچ چیزوں کے علاوہ کلمات خدا پر ایمان لانے کا ذکر ہے۔

چوتھی آیت، قل اریتم ان اتاکم عذابہ بیاتا او نہارا ماذا یستعجل منہ المجرمون اثم اذا ما وقع اٰمنتم بہ الاٰن وقد کنتم بہ تستعجلون (سورۂ یونس)

کہو کیا تم دیکھتے ہو کہ اگر عذاب خُدا شب یا روز میں کسی وقت تم پر آجاتا تو کونسی چیز وہ تھی جس کے لئے گناہ گار جلدی کرتے تھے؟ بعد اس کے کہ عذاب آگیا اس کے ساتھ ایمان لاتے ہو؟ اب اس پر ایمان لاتے ہو؟ حالانکہ اسی کے لئے تم جلدی کرتے تھے۔

اس آیت میں عذاب خدا پر ایمان نہ لانے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ بعد از وقت ایمان لانے سے کوئی فائدہ نہیں، یہ نویں چیز ہے۔

پانچویں آیت، افبالباطل یومنون و بنعمۃ اللہ ھم یکفرون (سورۂ نحل)

کیا یہ (کفار) باطل پر تو ایمان لاتے ہیں اور خدائی نعمت کے ساتھ کفر اختیار کرتے ہیں۔

اس مضمون کی آیتیں متعدد ہیں جن میں نعمات خدا کے کفر پر عذاب سے ڈرایا گیا ہے، افبالباطل یومنون و بنعمۃ اللہ یکفرون (سورۂ عنکبوت)

ضرب اللہ مثلاً قریۃ کانت اٰمنۃ مطمئنۃ یاتیھا رزقھا رغدا من کل مکان فکفرت بانعم اللہ فاذاقھا اللہ لباس الجوع والخوف بما کانو ا یصنعون (سورہ نحل)

یہاں خدا کی نعمت پر ایمان لانیکی دعوت دی گئی ہے کیا یہ ان پانچ چیزوں

کے علاوہ نہیں ہے؟

آیات مذکورہ سے معترض کے بیان کئے ہوئے اصول خمسہ "**توحید، رسالت، کتب**، ملائکہ، معاد کے علاوہ پانچ چیزیں اور ثابت ہوتی ہیں (۱) غیب۔ (۲) آیات آلہیہ یعنی معجزات و عجائب قدرت (۳) کلمات خدا (ان کی تفسیر عموماً مخلوقات آلہیہ سے ہوا ہے اور اس تفسیر کی بناء پر مخصوص مقرب بندے خدا کے مراد ہیں انبیاء و رسل کی قید نہیں تاکہ کہا جائے یہ رسالت کی طرف راجع ہے (۴) عذاب خدا (۵) نعمات آلہیہ،

اگر معرفت رکھتے ہو تو امام کو سب سے بڑی نعمت خدا کی سمجھو اس لئے کہ دنیاوی نظام زندگانی کے علاوہ حیات ابدی اس کے وجود پر موقوف ہے اور اتممت علیکم نعمتی کہکر خدا نے بھی اس پر نعمت کا اطلاق کیا ہے پھر تو نعمات آلہیہ کے ذیل میں مذکورۂ بالا آیات مبارکہ صاف صاف امام پر ایمان لانے کی دعوت دیتی اور اپنا مذکورہ بالا اصول کہ جس پر ایمان کو خدا نے بتلایا وہ اصول میں داخل ہے جاری کرو تو امامت کا اعتقاد تم کو اصول دین میں دکھلائی دے گا،

آیات مذکورہ کا نتیجہ:۔ ان مسلسل آیات کے نقل کرنے سے ہماری غرض دو باتوں کا ثابت کرنا تھا جو ہر بابصیرت پر واضح ہیں۔

(۱) معترض کا خیال کہ سوائے توحید و رسالت و کتب ملائکہ و معاد کے کسی چیز پر ایمان رکھنا جائز نہیں ہے اور جو شخص اس سے زیادہ کسی چیز کا اعتقاد

رکھے وہ من یکفر بالایمان فقد حبط عملہ کا مصداق ہے" خود قرآن مجید کی رُو سے باطل ہو گیا اور معلوم ہوا کہ خود کلام الٰہی نے علاوہ ان پانچ چیزوں کے بعض اشیاء پر ایمان کی ہدایت کی ہے، لہٰذا یہ کُلیہ درست نہیں ہے۔

(۲) معلوم ہوا کہ اصول دین کا معیار یہ نہیں ہے کہ جس چیز پر ایمان کا خدا نے حکم دیا یا جس کے انکار پر تہدید کی ہو وہ اُصول دین میں داخل ہے ورنہ پانچ اصول دین کے بجائے دس اصول دین کا اقرار کرنا پڑیگا جو تمام عالم اسلامی کے مسلّم کے خلاف ہے۔

احادیث رسُولؐ سے ہمارے مدّعا کی تائید

معترض کا خیال ہے کہ گذشتہ پانچ اصول کے علاوہ کوئی چیز ایمان میں داخل نہیں ہو سکتا، اگرچہ محبت اہلبیت یا کوئی اور عمل فریضہ کیوں نہ ہو" لیکن رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث ہم کو معترض کے ساتھ ہم آواز نہیں ہونے دے سکتیں لطف یہ ہے کہ معترض صاحب نے بہت سادگی کے ساتھ یہ تحریر فرمایا ہے کہ" آنحضرت صلواۃ اللہ علیہ وسلم کی فعلی شہادت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسی کو مسلمان بنایا تو اس کو آپ نے ایمان کی تلقین فرمائی جس کو قرآن کریم نے ظاہر فرمایا ہے اور اس ایمان لانے والے کو بھی سخت ہدایت فرمائی کہ خبردار بجز نبیاء کے کسی غیر نبی پر ایمان نہ لانا"

اگر مذکورہ بالا عبارت معترض کی نہ ہوتی تو ہم کو بھی احادیث رسُولؐ کے پیش کرنے

کی جرأت نہ ہوتی کیونکہ ہمارا خیال تھا کہ وہ حسبنا کتاب اللہ کی رُو سے سوائے قرآن کے کسی چیز کو سننا پسند نہ کریں گے لیکن اس عبارت نے ہم کو جرأت دلائی کہ ہم کتب حدیث و اخبار پر بھی ایک سرسری نظر ڈالیں۔

اب ذیل کے احادیث پر مسلسل نظر ڈال کر دیکھو کہ رسولؐ نے علاوہ گذشتہ پانچ باتوں کے کسی شئے کو ایمان میں دخیل بتایا ہے؟

پہلی حدیث عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین ط

انس سے روایت ہے کہ رسالتمآب نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ میری محبت اُس کو باپ اور اولاد اور تمام خلق سے نہ زیادہ ہو۔

اس روایت کو امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے صحیحین میں وارد کیا ہے

دوسری حدیث۔ حافظ بیہقی اور ابو الشیخ اور دیلمی نے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا۔

لا یومن عبد حتی اکون احب الیہ من نفسہ وتکون عترتی احب الیہ من عترتہ وتکون اھلی احب الیہ من اھلہ وتکون ذاتی احب الیہ من ذاتہ

کوئی بندہ خدا مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ میں اس کو اس کے نفس سے زیادہ اور میری اولاد اُس کی اولاد سے زیادہ اور میرے اہلبیت اس کے اہلبیت سے زیادہ اور میری ذات اُس کی ذات سے زیادہ محبوب نہ ہو۔

تیسری حدیث ۔ حضرت رسولؐ نے عباس بن عبد المطلب سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا۔

لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبکم للہ ولرسولہ۔

"کسی شخص کے دل میں ایمان نہیں داخل ہو سکتا تاوقتیکہ تم لوگوں کی محبت خدا اور اُسکے رسولؐ کی خاطر نہ رکھتا ہو" اس روایت کو حافظ سخاوی نے روایت کیا ہے،

چوتھی حدیث مابال اقوام تیحدثون فاذا رأوا الرجل من اھلبیتی قطعوا حدیثھم واللہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبھم للہ ولقرابتھم منی،

کیا حال ہے اُن لوگوں کا جو باتیں کرتے ادھر میرے اہلبیت میں سے کسی کو دیکھ لیتے ہیں باتیں موقوف کر دیتے ہیں خدا کی قسم کسی شخص کے دل میں ایمان نہیں پہنچ سکتا تاوقتیکہ خدا کی خاطر اور میری قرابتداری کے پاس سے ان لوگوں کی محبت نہ رکھتا ہو۔

علامہ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اس روایت کو نقل کیا ہے،

پانچویں حدیث، والذی نفسی بیدہ لا یدخلون الجنۃ حتی یؤمنوا ولا یؤمنون حتی یحبوکم للہ ولرسولہ

خدا کی قسم یہ لوگ جنت میں نہیں پہنچ سکتے تاوقتیکہ ایمان نہ لائیں اور ایمان حاصل نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ خدا اور رسولؐ کی خاطر سے تمھاری محبت نہ رکھیں،

چھٹی حدیث والذی نفسی بیدہ

خدا کی قسم کوئی شخص ایمان نہیں لا سکتا تاوقتیکہ

لا یومن عبد حتی یحبنی ولا یحبنی حتی یحب ذوی۔ | مجھے دوست نہ رکھے اور مجھے دوست نہیں رکھ سکتا۔ مگر یہ کہ میرے والوں کو (اہلبیت کو) دوست رکھے

ان تمام روایات کو علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں بھی نقل کیا ہے یہ احادیث کہ جن کو حفاظ و محدثین نے اپنے صحاح و مسانید میں درج کیا ہے اور جن میں سے بعض صحیحین میں بھی مذکور ہیں صاف بتلاتے ہیں کہ محبت رسول و اہلبیت ارکان ایمان میں داخل ہے اسکے بعد معترض کا یہ کہنا کہ رسول نے ایمان کی تلقین میں کبھی کسی چیز کا علاوہ پانچ چیزوں کے ذکر نہیں فرمایا کہاں تک وقعت رکھ سکتا ہے۔

رہ گیا یہ خیال کہ رسول جب کسی کو مسلمان بناتے تھے تو سوائے ان پانچ چیزوں کے کسی بات کا تذکرہ نہ کرتے تھے" اس بناء پر قابل وقعت نہیں کہ رسالتمآب کا طریقہ تبلیغ یہ تھا کہ ارکان ایمان تدریجی طور پر تبلایا کرتے تھے ورنہ وہ جاہل عرب جو ابھی کل کی بات ہے بتوں کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے چلا آرہا تھا اور اپنے عیش و عشرت میں مذہب کے قیود سے آزاد تھا اس پر اگر ایکا ایکی بہت سی پابندیاں عائد ہو جاتیں تو یقیناً وہ اس بار کو قبول نہیں کر سکتا۔ رسول کے اوائل زمان بعثت پر نظر کرو تاریخ و حدیث تبلائیگی کہ رسولؐ کا تبلیغی اعلان صرف اتنا تھا قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا بس خدا کو ایک مان لو نجات پا جاؤ گے" تو کیا کہہ جا سکتا ہے کہ ایمان صرف توحید کا نام ہے اس کے بعد بھی حضرت نے تبلیغ زبانی تو یہی تدریجی اصول جاری رہا معترض صاحب پانچ چیزوں کو اصول دین تسلیم کرتے ہیں لیکن ہم مشتاق ہیں کہ وہ کوئی دفعہ ایسا پیش کر سکیں جہاں

حضرت رسولؐ نے کسی نومسلم کو ان پانچ چیزوں کی تعلیم دی ہو، جہاں تک واقعات بتلاتے ہیں حضرتؐ ان نومسلمین کو صرف توحید و نبوت کے اعتقاد کو بتلا کر کچھ عملی عبادات صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ کی ہدایت کر دیا کرتے تھے بس، دیکھو صحیح بخاری حضرتؐ نے فرمایا من شہد ان لا الٰہ الا اللہ واستقبل قبلتنا وصلی صلاتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم (۲) صحیح بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے کہ رسالتمآبؐ نے وفد عبدالقیس کو ایمان باللہ وحدہ کا حکم دیا پھر فرمایا اتدرون ما الایمان باللہ وحدہ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ واقام الصلوٰۃ الخ (۳) نیز امام بخاری نے صحیح میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسالتمآبؐ نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجا اور فرمایا انک ستاتی قوماً اہل کتاب فاذا جئتھم فادعھم الی ان یشہدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ فان اطاعوا لک بذلک فاخبرھم ان اللہ قد فرض علیھم خمس صلوات (۴) صحیح مسلم میں جنگ خیبر کا تذکرہ کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے امیرالمومنین علی ابن ابی طالب سے فرمایا فاتلھم حتی یشہدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ فاذا فعلوا ذلک فقد منعوا منک دماءھم معلوم ہوا کہ رسالتمآبؐ عمر بھر میں یہ نتیجہ نکالنا کہ اصول دین اسی تعداد میں منحصر ہیں بہت بڑی غلطی ہے گذشتہ احادیث سے ثابت ہو گیا کہ علاوہ ان پانچ چیزوں کے جن کو معترض نے ذکر کیا ہے محبت اہلبیتؑ بھی ایمان کا ایک رکن اعظم ہے،

مرزا صاحب قادیانی کی تصریحات سے معترض کی زبان بندی

اعتراض چونکہ اُس فرقہ کی طرف سے ہے جو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا حلقہ بگوش ہے لہٰذا اس موقع پر موضوع کلام کے متعلق مرزا صاحب کے کچھ بیانات کا نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ معترض صاحب کا بیان ہے کہ توحید، و رسالت، کتب، ملائکہ، معاد، ان پانچ چیزوں کے علاوہ کسی چیز کا ایمان جائز نہیں ہے جس کو ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں باطل کر چکے لیکن اب دیکھنا چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ان پانچ چیزوں کے علاوہ کبھی کسی اور چیز کا ایمان خود رکھا یا اپنے متبعین کو ہدایت فرمائی یا نہیں ہم کو اُن کے تصریحات سے اُن اصول خمسہ کے علاوہ کچھ امور ملتے ہیں جن پر ایمان کا اُن کو اعتراف تھا اور اپنے اُمتیوں کو بھی تعلیم دی

حمامۃ البشریٰ ایک کتاب ہے جو ممدوح نے عربی زبان میں اہل مکہ کی ہدایت کے لئے ۱۳۱۱ھ میں تصنیف فرمائی ہے اور وہ پنجاب میں شائع ہوئی ہے اور اُس میں ممدوح نے تفصیل سے اپنے عقائد اور تبلیغی تعلیمات تحریر کئے ہیں اُس کا صفحہ ۸ ملاحظہ ہو۔

ان ھولاء قد افتروا علی وقالوا ان ھذا الرجل یدعی انه نبی ویقول فی شان عیسیٰ بن مریم کلمات الاستخفاف	یہ لوگ (علمائے اسلام) مجھ پر افترا باندھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص دعویٰ نبوت کرتا ہے اور عیسیٰ بن مریم کی شان میں،

ويقول انه توفى ودفن فى ارض
الشام ولا يؤمن بمعجزاته ولا
يؤمن بانه خالق الطيور ومحيى الاموات
وعالم الغيب وحى قائم الى الآن فى
السماء ولا يؤمن بان الله قد خصه
وامه بالمعصومية التامة من
مس الشيطان ومن كل ما هو من
لوازم المس لا يقر بانهما مخصوصان
متفردان فى العصمة المذكورة
لا شريك لهما فيها احد من الرسل
والنبيين ويقولون ان هذا الرجل
لا يؤمن بالملائكة ونزولهم وصعودهم
ويحسب الشمس والقمر والنجوم
اجسام الملائكة ولا يعتقد بان
محمداً خاتم الانبياء ومنتهى المرسلين
لا نبى بعده وهو خاتم النبيين
فهذا كلها مفتريات وتحريفات

اہانت آمیز کلمے کہتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ
مر گئے ہیں اور زمین شام میں دفن ہوئے ہیں
اور اُن کے معجزات پر ایمان نہیں لاتا اور
اس بات پر ایمان نہیں لاتا کہ وہ طیور کے
خالق تھے اور مردوں کو زندہ کرتے تھے
اور غیب کی باتوں کو جانتے تھے، اور زندہ
اس وقت تک آسمان پر موجود ہیں اور
ایمان نہیں لاتا اس بات پر کہ خدا نے ان کو
اور ان کی ماں کو عصمت کاملہ کے ساتھ
مخصوص کیا ہے اور اقرار نہیں کرتا کہ تمام
انبیاء و رسل کے مابین اس صفت کے
ساتھ مخصوص ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص
ملائکہ اور ان کے آسمان سے اُترنے چڑھنے
پر ایمان نہیں لاتا اور آفتاب و ماہتاب اور
ستاروں کو اجسام ملائکہ خیال کرتا ہے
اور حضرت محمد مصطفےٰ کو خاتم الانبیاء
اور آخری رسول کہ جس کے بعد نبی نہیں

سبحان ربی ما تکلمت مثل هذا ان هو الا کذب لعنة الله علیهم انهم من الدجالین ۞ ہو سکتا، نہیں مانتا، یہ سب باتیں جھوٹ اور افترا ہیں۔ سبحان اللہ میں نے کبھی ایسی باتیں نہیں کہیں، اور خدا شاہد ہے کہ یہ لوگ دجال ہیں۔"

اس عبارت سے صاف ثابت ہے کہ علمائے اہل اسلام کا یہ کہنا کہ یہ شخص معجزات عیسیٰ اور اُنکے خلق طیور وغیرہ پر ایمان نہیں رکھتا ہے، افترا جھوٹ ہے اور وہ لوگ اسکی نسبت دجال سمجھے جانے کے قابل ہیں۔ حقیقتاً وہ لوگ سچ کہتے ہیں یا جھوٹے ہیں اور واقعاً ان عقائد کی نسبت مرزا صاحب کی حرف درست ہے یا نہیں؟

سچ تو یہ ہے کہ یہ تمام باتیں مرزا صاحب کی کتابوں سے ثابت ہیں اور ان کے اقوال علمائے اسلام کے مذکورہ بیانات کی دلیل ہیں پھر نہ معلوم اُنہوں نے کیا قصور کیا کہ وہ کاذب مفتری دجال بنا دیے گئے لیکن اس سے ہم کو یہاں کام نہیں، اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا مذکورہ ذیل چیزوں پر ایمان تھا۔

(۱) حضرت عیسیٰ کے معجزات (۲) اُنکا خلق طیور ہونا (۳) اُن کا مُردوں کو زندہ کرنا (۴) اُن کا غیب کی باتوں سے خبر دینا (۵) خدا کا اُن کو مس شیطان سے معصوم بنانا (۶) حضرت رسول کا خاتم النبیین ہونا اور یہ کہ اُن کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ اب معترض صاحب سے پوچھو کہ یہ باتیں اگر اصول مذہب کے نزدیک وہی باتیں ہیں اور جبکہ مرزا صاحب کا ایمان ان باتوں پر خود اُن کے اقرار سے ثابت ہے تو وہ من یکفر بالایمان فقد حبط عملہ کے مصداق ہوئے یا نہیں؟

مرزا صاحب کی صریح ترین عبارت۔ حمامۃ البشریٰ صفحہ ۹۰ ملاحظہ ہو

وإذا قيل لهم آمنوا بما صرح الله في كتابه من وفاة المسيح وضلالة النصارى بعد وفاته لا في زمن حياته قالوا أنؤمن بما يخالف الأحاديث وقد كانوا يعلمون الناس أن الخبر الواحد يرد بمعارضة كتاب الله فنسوا ما ذكروا أناس قد انقلبوا إلى الجهل بعد ما كانوا عالمين۔

جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اُس شے کے ساتھ جس کی خدا نے اپنی کتاب میں تصریح کی ہے یعنی مسیح کی وفات اور نصاریٰ کا اُنکی وفات کے بعد گمراہ ہونا نہ اُنکی زمانہ حیات میں تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں ایسے مطالب پر جو احادیث کے خلاف ہیں۔ حالانکہ تمام لوگ جانتے ہیں کہ خبر واحد کتاب خدا کے مقابلہ میں رد کر دی جاتی ہے یہ لوگ بھول گئے اُس چیز کو جو لوگوں کو یاد دلائی گئی تھی اور جہالت کی طرف پلٹ گئے بعد اس کے کہ عالم تھے

اس عبارت میں صاف صاف مرزا صاحب نے دو باتوں پر ایمان کی دعوت دی ہے ایک یہ کہ حضرت مسیح کی وفات ہو گئی ہے، دوسرے یہ کہ تمام نصاریٰ عیسیٰ کی وفات کے بعد گمراہ ہو گئے۔ اب معترض صاحب ہمیں بتائیں کہ وفات مسیح اور نصاریٰ کا گمراہ ہونا اُن کے بتائے ہوئے اصول خمسہ میں سے کس اصل میں داخل ہے؟ اب کیا ہمیں معترض کو انہی کی صدائے بازگشت سنانے کا حق نہیں ہے کہ مرزا صاحب نے جو ایمان تراشا ہے اُس کا وجود تمام قرآن شریف میں نہیں ہے۔ اب فرمائیے

یہ ایمان آپ نے کہاں سے پایا ہے جس کی نفی قرآن شریف کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس کے خلاف ایمان رکھنے والے کے اعمال حبط ہوں گے الخ

غیر نبی پر ایمان۔ معترض صاحب نے بہت زور و شور سے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو مسلمان بنایا تو سخت ہدایت فرمائی کہ خبردار بجز نبیوں کے کسی غیر نبی پر ایمان نہ لانا" یہ سخت ہدایت کس کتاب صحیح یا مسند یا تاریخ و سیرت میں مذکور ہے؟ اس کا پتہ نہیں پھر تحریر فرماتے ہیں کہ آج تک کسی کتب سماویہ میں کسی غیر نبی پر ایمان لانا نہیں پایا جاتا لیکن جب اُن کے مجدد دین و مقتدائے ملت مرزا صاحب کے اقوال پر نظر کی جاتی ہے تو انکی تعلیم اس کے خلاف نظر آتی ہے، اگر کسی غیر نبی پر ایمان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے اور کسی کتاب سماوی میں غیر نبی پر ایمان لانا نہیں پایا جاتا تو مرزا صاحب نے اُن پر ایمان کی کس بناء پر دعوت دیتے تھے اور کس لئے اُن بیچارے علماء اسلام کو جو آپ کی مجددیت کے معتقد نہ تھے آپ نے یہود و نصاریٰ اور دجال کا لقب دیا ہے حمامۃ البشریٰ صفحہ ۸ میں آپ نے اپنا الہام نقل فرمایا ہے لن ترضی عنک الیھود ولا النصاریٰ ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین (یعنی) تم سے یہود اور نصاریٰ کبھی راضی نہ ہونگے وہ تمہارے ساتھ فریب کاری کرتے ہیں اور خدا اُن کے ساتھ اور خدا سب سے بہتر مکر کرنے والا ہے" آپ اس الہام کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

فادخل اللہ سبحانہ فی لفظ الیھود
معشر علماء الاسلام الذین تشابہ
الامر علیھم کالیھود وتشابھت القلوب
والعادات والجذبات والکلمات من
نوع المکائد والبھتانات والافتراءات

خدا نے یہودیوں کی لفظ کے اندر ان
علمائے اسلام کو داخل کیا ہے جن پر امر
حق (مرزا صاحب کی مجددیت) مثل
یہودیوں کے مشتبہ ہو گیا ہے اور ان لوگوں
کے دل اور عادتیں اور جذبات اور کلمات
اور طرح طرح کے مکر و فریب اور بہتان و افترا یہودیوں سے مشابہ ہیں۔

اب بتاؤ جبکہ غیر نبی پر ایمان کی ممانعت ہو چکی ہے اور کسی کتاب سماوی
میں وارد نہیں تو ان غریب علمائے اسلام نے کیا قصور کیا کہ مرزا صاحب
پر ایمان نہ لائے۔

غیر نبی پر ایمان کا ایک اور ثبوت صفحہ ۱۸ حمامۃ البشریٰ ملاحظہ ہو۔

واما السلف الصالح فما تکلموا فی
ھذہ المسئلۃ تفصیلا بل امنوا اجمالا
بان المسیح عیسی بن مریم قد توفی
کما ورد فی القرآن وامنوا بمجدد یاتی
من ھذہ الامۃ فی اخر الزمان عند
غلبۃ النصاری علی وجہ الارض
اسمہ عیسی بن مریم۔

رہ گئے سلف صالحین انہوں نے اس مسئلہ
(نزول عیسیٰ) میں تفصیل سے کلام نہیں کیا
بلکہ مجملا ایمان رکھتے تھے کہ مسیح عیسیٰ
بن مریم وفات پا گئے ہیں جیسا کہ قرآن
میں موجود ہے اور وہ ایمان رکھتے تھے
ایک مجدد پر جو اس امت میں سے
روئے زمین پر نصاریٰ کے غلبہ کے وقت

آنے والا تھا کہ اُس کا نام عیسیٰ بن مریم ہے،

اب بتاؤ کہ غیر نبی پر ایمان تو شریعت کے منافی اور کتب سماویہ کے خلاف ہے

پھر یہ ارباب سنت جن کو مرزا صاحب بھی سلف صالحین کا خطاب دیتے ہیں کیونکر

مجدد آخر الزمان پر ایمان رکھتے تھے؟

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سلف صالح غیر نبی پر ایمان لانا جائز سمجھتے تھے

اور مرزا صاحب نے بھی اس کا اعادہ کیا ہے بلکہ اُس پر دعوت دی ہے،

اگر کہا جائے کہ مرزا صاحب خود اپنے تئیں نبی سمجھتے تھے اور یہ مجدد جس پر

سلف صالح کا ایمان تھا نبی ہونے والا تھا لہٰذا اُس پر ایمان کی دعوت دینا غیر نبی پر

ایمان نہیں کہا جا سکتا تو یہ جواب بالکل بے اثر ہوا ہے کیونکہ مرزا صاحب نے اس مجدد

کی جس کا نام عیسیٰ بن مریم ہے اور جس کو مرزا صاحب خود اپنی ذات سمجھتے تھے

نبوت سے انکار کیا ہے دیکھو حمامۃ البشریٰ صفحہ ۲۰

کیف یجیئ نبی بعد رسولنا صلعم	ہمارے رسول کے بعد کوئی نبی کیونکر آ سکتا
انقطع الوحی بعد وفاتہ وختم اللّٰہ	ہے حالانکہ اُن کی وفات کے بعد وحی منقطع
بہ النبیین۔	ہو گئی اور خدا نے اُن پر انبیاء کو ختم کر دیا

اُصولِ دین کا حقیقی معیار

جبکہ معترض صاحب کا بیان کیا ہوا معیار قرآن و حدیث کے قطعی ادلہ سے

باطل ہو گیا تو اب غور کرنے کی ضرورت ہے کہ واقعاً اصول دین کا معیار کیا ہے؟ کسی
چیز کا حقیقی معیار سمجھنے کے لیے ضرورت ہے کہ اس کے معنی سمجھ لئے جائیں اصول دین
کا لفظ ایک مرکب اضافی جملہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے معنی مفردات کی تحقیق
پر موقوف ہیں (دین) کے معنی ما یتعبد بہ اللہ عزوجل وہ شے جس کے
ذریعہ سے خدا کی عبودیت کا اظہار ہو (قاموس طبع طہران صفحہ ۱۹۸) اور قرآن نے
ان الدین عند اللہ الاسلام کہکر دین کے معنی کی تشریح کر دی کہ اس سے مراد
صرف اسلام ہے۔ اصول، کی لفظ اصل کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں مایبتنی
علیہ الشیٔ یعنی جس کے اوپر کسی شے کی بنیاد قائم ہو اسی وجہ سے درخت کا
وہ پائینی حصہ جس کے ریشہ دور تک زمین میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اس کو اصل
کہا جاتا ہے، اسکے مقابل فروع دین ہیں اور فروع سے مراد درخت کی وہ شاخیں ہوتی
ہیں جو جڑ کے اوپر سے روئیدہ ہو کر بلند ہوتی ہیں اصل اور فرع کے خصوصیات ہر شخص
جانتا ہے جب تک جڑ قائم ہے اس وقت تک شاخیں ہو سکتی ہیں لیکن اگر جڑ جدا ہو جاتے
تو پورا درخت زمین پر آ رہیگا اسی طرح پہلے جڑ مضبوط ہو گی اسکے بعد شاخیں روئیدہ ہو سکتی
ہیں لیکن اگر جڑ موجود نہ ہو تو محال ہے شاخیں موجود ہو سکیں، فروع دین کی اصطلاح
سمجھنے پر اصول دین کے معنی خود بخود واضح ہو جائینگے کیونکہ انہی بنیادوں کا نام
ہے جن پر وہ شاخیں قائم ہیں، فروعِ دین سے مراد وہ عبادات و طاعات
عملیہ ہیں جو خدا کی طرف سے بندوں پر واجب ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ،

جہاد وغیرہ ان احکام شرعیہ کو فروع دین کہتے ہیں، اب اصول دین سے مراد وہ عقائد سمجھ لو
کہ جن پر ان چیزوں کی بنا ہے کہ اگر وہ مضبوط نہ ہوں تو شرعی احکام اور اسلامی عبادات
اپنی اصل شکل اصلی صورت پر موجود نہیں ہو سکتے، اب اصول دین کا معیار معلوم ہو گیا
قرآن وحدیث سے جن عقائد کا یقین رکھنا ضروری معلوم ہو اُن پہ ایک نظر ڈالو جن
چیزوں پر احکام شرعیہ کا پہنچنا اور حقیقی طور سے اُن پر عمل پیرا ہونا موقوف ہو وہ
اصولِ دین ہیں اور بقیہ اصول دین سے خارج ہوں گے اس کے لئے صرف اصل
عقیدہ کا قرآن وحدیث وغیرہ سے ثابت ہونا ضروری ہے لیکن اصول دین میں سے
ہونا اس کا کسی تشریح کا محتاج نہیں، خود اس معیار پر جانچ لو،

مسئلہ امامت کی مختصر تحقیق

جب اصولِ دین کا معیار معلوم ہو گیا تو اب دیکھو کہ اس کے تحت میں کون کون سے
عقائد مندرج ہو سکتے ہیں؟ توحید ونبوت اور معاد پر اجماع مسلمین ہے اور سب اس کے
قائل ہیں، کیوں؟ اسلئے کہ فروع دین اُن احکام کا نام ہے جو شارع مقدس کی طرف سے
اُسکے بندوں پر واجب ہیں اگر اصل شارع حقیقی خداوند عالم کا وجود اور مبلغ شریعت
کی نبوت ہی نہ ثابت ہو تو احکام شرعیہ کیسے؟ اسی طرح اگر حشر ونشر اور اطاعت
پر ثواب اور مخالفت پر عقاب کا کوئی دن تسلیم نہ کیا جاتے تو وجوب وحرمت بے اثر
اور احکام شرعیہ الفاظ بے معنی کا مجموعہ ہوں گے لہٰذا احکام شرعیہ مترتب ہیں

توحید، نبوت، معاد، پر اور یہی منشاء ہے کہ ان کو مسلمہ طور پر اصول دین مانا جاتا ہے لیکن دو چیزیں ایسی ہیں جن کے اصول دین کے اندر مندرج ہونے میں برادران اسلامی نے اختلاف کیا ہے اور وہ عدل و امامت ہیں لہٰذا ہم کو ضرورت ہے کہ اسی معیار پر جس کی بناء پر توحید و عدل و نبوت کو اصول دین میں مانا جاتا ہے ان دو عقیدوں کو بھی جانچ لیں، لیکن معترض صاحب نے چونکہ خصوصیت سے امامت کے مسئلہ کو محل بحث قرار دیا ہے۔ لہٰذا ہمارا بھی نصب العین غلاً وہی ہے عدل کے مسئلہ کے متعلق صرف مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ایک عبارت لکھنا ضروری سمجھتے ہیں جس سے اُس کی اہمیت پر کافی روشنی پڑے گی۔

مرزا صاحب کی عبارت سے عدل کا ثبوت ۔ حمامۃ البشریٰ صفحہ ۸ ملاحظہ ہو:۔

لا یصح علیہ سبحانہ الکذب فانہ رجس دہمن النقائص والنقائص کلہا تستحیل علیہ تعالیٰ ذاتاً وعقلاً وعرفاً و قد اتفق العلماء علیٰ ان اللّٰہ تعالیٰ لا یکذب ولا یخلف المیعاد و الکذب علیہ محال لما فیہ من امارۃ العجز او الجہل او العبث ولما فیہ	خدا پر جھوٹ بولنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ رجس ہے اور نقائص میں سے ہے اور نقائص سب کے سب خدا پر ذاتاً عقل و عرف کی رُو سے محال ہیں اور علماء نے اتفاق کیا ہے کہ خدا جھوٹ نہیں بولتا اور وعدہ خلافی نہیں کر سکتا اور کذب اُس پر محال ہے اسلئے کہ اسمیں عاجزی یا جہالت یا بیہودگی کی علامت ہے

من زیادۃ نقص وتعالی اللہ عن
النقائص کلہا وکل انواعہا وجواز
الکذب فی اخبارہ تعالی ووحیہ و
الہامہ یفضی الی مفاسد لا تحصی
قال فی شرح المواقف ویمتنع علیہ
الکذب اتفاقاً ولو کان اللہ کاذبا
لکان کذبہ قدیما اذ لا یقوم الحادث
بذاتہ تعالی فکیف یکون الکذب
من صفاتہ القدیمۃ وہو اصدق
الصادقین،

اور چونکہ یہ نقص ہے اور خُدا تمام
نقائص سے بَری ہے لہٰذا کذب اگر خُدا
کے اخبار و وحی و الہام میں جائز ہو تو
بڑے بڑے مفسد لازم آئیں گے شارح
مواقف نے کہا ہے کہ کذب خُدا پر
باتفاق محال ہے اور اگر خُدا جھوٹا ہو تو
اُس میں جھوٹ کی صفت قدیم ہوگی اس لئے
کہ حادث ذات قدیم میں قائم نہیں ہو
سکتا پھر کذب کیونکر اُس کے صفات
قدیمہ میں سے ہو سکتا ہے حالانکہ وہ
سب سے زیادہ سچّا ہے،

اب پوچھو کہ ظلم نقص اور نقائص میں سے ہے یا نہیں اور جب نقائص کا صدور
خدا سے عقلاً بالذات محال ہے تو ظلم کو کیونکر جائز سمجھا جا سکتا ہے اور اگر ظلم کا صادر
ہونا اُس سے جائز ہے تو اُس کو صفت قدیمہ ہونا چاہیے کیونکہ حادث ذاتِ قدیم
سے قائم نہیں ہوتا تو خدا کو ہمیشہ سے ظالم ماننا پڑے گا! ایسا کہنے کی صورت میں
اپنے ایمان باللہ کی تم خود خبر لے لو،
مرزا صاحب کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خُدا پر ظلم عقلاً اور عادۃً بالذات،

محال ہے اور اُس کا ظلم کے ساتھ اتصاف نہیں ہو سکتا اور ان کا اصول دین سے ہونا تو ظاہر ہے کہ معاد کا ثبوت اس لئے ہے کہ عدالت کا تقاضا ہے عاصی کو اس کے کردار کی سزا اور مطیع کو اُس کے افعال کی جزا دی جائے اور جب عدالت ہی کو خدا کے لئے لازم خیال نہ کیا تو معاد کا عقیدہ رکھنا بالکل بے دلیل ہے اور پھر جتنے احکام شرعیہ عدل پر مشتمل ہیں وہ بھی اصل کے باطل ہونے سے برباد ہو جائیں گے۔ پس بتاؤ عدالت کا اُصول دین میں سے ہونا ثابت ہوا یا نہیں؟

امامت کے اصول دین میں سے ہونے کا قطعی ثبوت

رہ گیا امامت کا مسئلہ تو اُس کے جو کچھ براہین و دلائل ہیں وہ تو مفصل کتابوں میں مرقوم ہیں اور اب موقع نہیں ہے کہ ہم اُن پر روشنی ڈال سکیں مختصر یہ ہے کہ جس طرح نبی مبلغ شریعت ہے اور احکام کی تبلیغ کرتا ہے اسی طرح امام حافظ شرع اور تغیر و تبدل و تحریف سے اُس کا بچانے والا ہے اور اُس سے انحراف کرنے کی صورت میں احکام اپنی اصلی صورت پر باقی نہیں رہ سکتے، خدا کی حجت جو بندوں پر تمام ہے کہ جس کی وجہ سے اُن کو ثواب عقاب کا استحقاق ہوتا ہے وہ امام کے وجود سے ہے اور اگر کسی زمانہ میں وہ موجود نہ ہو تو لوگوں پر خدا کی حجت تمام نہیں حقیقی احکام شرعیہ جو تغیر و تبدل کی وجہ سے مخفی ہو گئے ہیں ترتیب ثواب و عقاب کا موقع نہیں اس کے علاوہ ہم قطعی ثبوت پیش کرتے ہیں جس کے بعد شبہہ کی گنجائش نہیں کہ امامت اصول دین میں داخل ہے۔

پہلی آیت، یا ایھا الرسول بلّغ اے رسول تبلیغ کرو اُس چیز کی جو تم پر

ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہٗ ۔ نازل ہوئی اور اگر ایسا نہیں کیا تو اسکی رسالت کو بالکل پہنچایا ہی نہیں۔

ابن حاتم اور ابن عساکر اور ابن مردویہ اور صاحب فتح البیان وامام فخرالدین رازی وعلامہ نیشاپوری ومورخ حبیب السیر وحافظ ابونعیم اصفہانی وعلامہ عینی شارح صحیح بخاری وامام واحدی وعلامہ سیوطی ونظام اعرج وصاحب سیرۃ حلبیہ ابوبکر نقاش وامام ثعلبی اور دیگر مفسرین کی تصریح کے موافق یہ آیت امیرالمومنینؑ کی امامت کے متعلق وارد ہوئی ہے اور اہلسنت ہی سے ہونے کے ادعا کے ساتھ جس کے معترض صاحب معترف ہیں ان ائمہ حدیث وعلمائے تفسیر کے اقوال سے سرتابی ممکن نہیں۔

آیت صاف بتلا رہی ہے کہ اگر امامت کی تبلیغ نہ ہوئی تو دین بالکل بیکار ہے گویا کوئی حکم پہنچایا ہی نہیں گیا۔ پھر اصول دین کے معنی بھی تو یہی ہیں کہ ایسا عقیدہ جس کے نہ ہونے پر تمام دینی احکام بیکار ہو جائیں اور حقیقت یہ آیت صریحی طور پر امامت کو اصول دین میں بتلا رہی ہے

امامت کو قرآن ما انزل الیک من ربک سے تعبیر کر رہا ہے اب اس کے اوپر منطبق کرو ایک دوسری آیت قرآن کہ الذین امنوا وعملوا الصالحات وامنوا بما نزل علی محمد وھوالحق من ربھم کفر عنھم سیاٰتھم واصلح بالھم (سورہ محمد) تو معلوم ہو گا کہ ما نزل علی محمد کے تحت میں امامت پر ایمان ضروری ہے اور اب

معترض کے معیار پر بھی امامت اصولِ دین میں نظر آئیگی۔

دوسری آیت، الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا،

امامت علیؑ کی تبلیغ کے بعد یہ آیت نازل ہوتی ہے اس کو ابن مردویہ اور ابن عساکر اور خطیب ابن جریر طبری مورخ نے اور علامہ سیوطی نے درمنثور اور اتقان میں اور صاحب ترجمان القرآن اور صاحب ارجح المطالب اور دیلمی اور حافظ ابونعیم اور ابن المغازلی اور امام صالحی اور دیگر مفسرین نے نقل کیا ہے جس کے بعد انکار کی گنجائش نہیں، امامت کے اعلان سے قبل دین ناقص تھا یا کامل؟ اگر کہو کامل تو قرآن کی تکذیب ہے، کیونکہ خدا روز غدیر اکمال دین کی خبر دے رہا ہے اگر کہو ناقص تھا تو معلوم ہوا کہ دین کا ایک جزو امامت ہے اور اسی سے اس کا اصول دین میں ہونا ثابت ہے۔ وللہ الحجۃ البالغۃ۔

ناچیز علی نقی النقوی بقلمہ

از نجف اشرف

اُصُولِ دِین اور قرآن نمبر ۲

بجواب المستفسر نمبر ا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

جنوری ۳۲ء میں جسکو گذرے ہوئے دو سال آٹھ ماہ کا عرصہ ہوا جبکہ جامعہ مبارکہ مدرسۃ الواعظین کے جلسے لکھنؤ میں ہو رہے تھے جماعت احمدیہ کے سرگرم مبلغ حسام الدین احمد صاحب احمدی اکبر آبادی کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا تھا جس میں شیعی اعتقادات کے مطابق حقیقی دین اسلام کے جو اصول خمسہ ہیں اُن کا انکار کرتے ہوئے علمائے شیعہ سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ قرآن مجید سے ان اصول کا ثبوت پیش کریں، جہاں تک معلوم ہوا ہے مدرسہ کی جانب سے اس اشتہار کا جواب جلسۂ عام میں دیدیا گیا تھا لیکن مشتہر صاحب نے اُس زبانی جواب کو ناکافی سمجھتے ہوئے تحریری جواب کا مطالبہ کیا اور دو تین ماہ کی تاخیر کو بہت زیادہ تصور کرتے ہوئے تکرار تقاضا کی ضرورت سمجھی، اُن کا خیال تھا کہ اُن کے اشتہار کی ہر ہر لفظ کوہ گراں اور سدِ سکندری ہے۔ جس کے مقابل عالم شیعیت کی مجموعی طاقت ناکافی ہے، جب ہی تو وہ یوں ارشاد فرماتے ہیں:-

"ایڈیٹر صاحب، سہیل یمن کو بھی ذریعہ تحریر توجہ دلاتا ہوں خدا کرے

کہیں یہی جرأت کر جائیں مگر اُمید نہیں، انشاء اللہ کل قرات صاحب رامپور کو بھی ایک رجسٹری بھیجتا ہوں دیکھوں وہ کیا جواب دیتے ہیں ورنہ ایک تحریک اور اخباروں کے ذریعہ کر کے انشاء اللہ ایک مستقل حرکت معہ تقسیم کردوں گا، آپ کی طرف سے اُمید ہے کہ جواب شائع و ذرایع ہو جاتے۔

اللہ اللہ! اعزہ و تفوق اور دعویٰ الامن مبارز ہیں اتنا زور تو بھی میرے محترم بزرگ مولانا قاسم علی صاحب مدیر الواعظ نے اپریل ۱۹۲۸ء کے پرچہ میں اشتہار کی ہر ہر لفظ کا واضح عالمانہ جواب تحریر فرمایا اور اشتہار کے کسی اعتراض کو تشنۂ تحقیق نہیں چھوڑا جس کے بعد ہی جولائی کے پرچہ میں ہمارا ایک فیصلہ کن مقالہ شائع ہوا جس میں قرآن، حدیث، مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے تصریحات سے معترض پر عرصہ بحث کو تنگ، اور نجات کے راستوں کو مسدود کر دیا گیا تھا۔

سابق زور شور اور جوش و خروش کا مقتضا تو یہ تھا کہ دو تین دن نہیں چار پانچ ہفتہ نہیں، چھ مہینہ ایک سال میں اُس کا جواب شائع ہو جاتا لیکن دو سالہ کا زمانہ گزر گیا، صدائے برنخاست۔ عالم بہ حیرت شہر خموشاں بن گیا۔ قوت ایمانی کے ساتھ ساتھ زور قلم نے بھی ساتھ چھوڑ دیا، اب دو برس کا عرصہ گذرنے کے بعد جس وقت یقین ہو گیا کہ مذکورہ مقالات کے مضامین کا نقش ناظرین کے قلوب سے محو ہو گیا ہوگا اور شاید بعض اپرداشخاص کے پاس سے الواعظ کا

وہ پرچہ بھی گم ہو گیا ہو، لکھنؤ بلکہ اودھ سے سینکڑوں کوس دور صوبۂ بنگال کے
شہر کلکتہ سے ایک چند ورقہ اشتہار شائع کرنے کی ضرورت سمجھی گئی جس میں جناب
مدیر الواعظ کے مقالہ کو موضوع بحث قرار دیتے ہوئے آخر میں بطور تیمن و تبرک
ہمارے طویل الذیل مقالہ کے چند جملوں کو نقل کر کے اُس کے جواب دینے
کی کوشش کی گئی ہے۔

میرے خیال میں چونکہ اس قسم کی تحریریں تحقیق حق سے کوسوں دور، صرف
سخن پروری اور ذاتی جذبات کی نمائش کا ذریعہ ہوتی ہیں لہذا اُن کا جواب دینا
فضول ہے لیکن صرف اس خیال سے کہ کسی کمزور ایمان رکھنے والے کو غلط فہمی
یا کسی طالب حق کے منزل تحقیق تک پہنچنے میں رکاوٹ نہ پیدا ہو میں اس
مضمون کے اہم اجزاء پر ایک انتقادی نگاہ ڈالنا چاہتا ہوں۔

عدل و امامت کا قرآن سے ثبوت

شائع شدہ سابق مقالات میں عدل و امامت کے قرآنی شواہد کثرت سے پیش
کئے جا چکے ہیں لیکن مستفسر صاحب اُن تمام بیانات کو پس پشت ڈالتے ہوئے یہ سوال
ضروری سمجھتے ہیں کہ "ایمان باللہ ایمان بالرسول، ایمان بالیوم الآخر کی طرح عدل
اور اثنا عشری امامت پر ایمان لانے والے کے لئے قرآن مجید میں کوئی آیت
بھی موجود ہے" یہ استفہام اگر حقیقۃً استفہام ہے تو اس سے بڑھ کر کند ذہنی

گیا ہو سکتی ہے کہ جواب سن لینے کے بعد پھر اُسی سوال کا اعادہ کیا جائے اور اگر استفہام انکاری ہے تو ناانصافی اور سخن پروری کا پورا نمونہ، لیکن مستفسر کی خاطر سے ہم پھر فہرست آیات قرآنیہ کی پیش کردیں گے اور عدل وامامت دونوں سے علیحدہ علیحدہ بحث کر کے اصل حقیقت پر آفتاب سے زیادہ تیز روشنی ڈالیں گے۔

ایمان باللہ کی تحقیق

قرآن مجید میں ایسی آیتیں کثرت سے ہیں جن میں ایمان باللہ کی تاکید کی گئی ہے اور اُسی کو مدار نجات قرار دیا گیا ہے۔

(۱) من آمن باللہ والیوم الاخر و عمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

جو لوگ اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو اُنکے لئے اُن کا اجر اُنکے پروردگار کے پاس ہے اور اُنکے واسطے کوئی ڈر کی بات نہیں ہے اور نہ اُن کو رنج پہنچے گا۔

---

(۲) قولوا امنا باللہ وما انزل الینا۔

کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اُس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔

(۳) امن الرسول بما انزل

جو کچھ رسول کی طرف اُنکے پروردگار

الیہ من ربہ والمومنون کلٌّ اٰمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ و رسلہ (بقرہ)

کی جانب سے نازل کیا گیا اُس پر وہ ایمان لایا اور مومنین بھی سب کے سب اللہ اور اُس کے ملائکہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لائے

(۴) قل اٰمنا باللہ وما انزل علینا۔

کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اُس پر کہ جو ہم پہ نازل کیا گیا۔

(۵) یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولٰئک من الصالحین۔ (آل عمران)

وہ لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے اور نیکی کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں دوڑ پڑتے ہیں اور وہی لوگ صالحین میں سے ہیں۔"

(۶) والذین اٰمنوا باللہ و رسلہ ولم یفرقوا بین احد منھم اولٰئک سوف یؤتیھم اجورھم۔

اور جو لوگ اللہ اور اُسکے پیغمبروں پر ایمان لائے اور اُن میں سے کسی ایک کے درمیان میں فرق نہیں کیا انہی کو عنقریب اُن کا پروردگار اُن کے اجر عطا فرمائے گا۔

---

(۷) یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک والمقیمین

جو کچھ تمھاری طرف نازل کیا گیا اور جو کچھ تم سے پہلے نازل کیا گیا اُس پر

الصلوٰۃ والمؤتون الزکوٰۃ	وہ ایمان رکھتے ہیں اور پابندی سے نماز
والمؤمنون باللہ و الیوم	پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ
الآخر۔	اور یوم آخر کا یقین رکھتے ہیں۔
(۸) فامنوا باللہ ورسلہ	پھر اب تو ایمان لے آؤ تم اللہ اور اسکے رسولوں پر
(۹) فاما الذین امنوا باللہ	جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس سے
واعتصموا بہ فسیدخلھم	لو لگا کر بیٹھے تو اللہ انکو عنقریب اپنی رحمت
فی رحمۃ منہ و فضل۔	و فضل میں داخل کرے گا۔
(۱۰) یا ایھا الذین امنوا امنوا	اے زمرۂ اہل ایمان میں داخل ہونے والو اللہ
باللہ و رسولہ۔ (نساء)	اور اسکے رسول پر سچ سچ ایمان لاؤ۔
(۱۱) فامنوا باللہ ورسولہ النبی	پھر اب تو ایمان لاؤ اللہ اور اسکے نبی
الامی الذی یؤمن باللہ وکلماتہ	اُمّی رسول پر جو اللہ اور اسکے کلمات
(الاعراف)	پر ایمان رکھتا ہے،
(۱۲) ان کنتم امنتم باللہ وما	اگر تم اللہ پر اور اُس چیز پر جو ہم نے اپنے
انزلنا علی عبدنا (انفال)	بندہ پر نازل کی ایمان لا چکے ہو جنگ کرو
(۱۳) قاتلوا الذین لا یؤمنون	اُن لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے
باللہ ولا بالیوم الآخر	ہیں اور نہ آخرت پر۔
(۱۴) الایتا ذلک الذین یؤمنون	جو لوگ اور روز آخرت پر ایمان

بالله واليوم الآخر ان يجاهدوا
باموالهم وانفسهم۔

لائے ہیں اُن کو اپنے جان و مال کے ساتھ
جہاد کرنے میں تم سے پوچھنے گچھنے کی
عادت نہیں ہے۔

---

(۱۵) واذا انزلت سورة ان آمنوا
بالله وجاهدوا مع رسوله استاذنك
اولوا الطول منهم (توبہ)

اور جب کوئی سورہ ایسا نازل ہوا کہ
ایمان لاؤ اللہ پر اور اُسکے رسول کیساتھ
ہو کر جہاد کرو تو تم سے اجازت مانگنے لگے
(بیٹھ رہنے کی) انہیں سے دولتمند لوگ۔

---

(۱۶) انی ترکت ملة قوم لا یؤمنون
بالله وهم بالآخرة هم کافرون
(یوسف)

یقیناً میں نے اُس قوم کی ملت و مذہب کو
ترک کر دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے
اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔

(۱۷) ولا تاخذكم بهما رافة فی
دین الله ان کنتم تؤمنون
بالله والیوم الآخر۔

اور تم کو اُن دونوں (زانی و زانیہ) پر
خدا کے حکم کے جاری کرنے میں رحم نہ
آ جائے اگر تم اللہ اور روز آخرت پر
ایمان رکھتے ہو۔

---

(۱۸) انما المؤمنون الذین
آمنوا بالله ورسوله (نور)

ایمان دار صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ
اور اُسکے رسول پر ایمان رکھتے ہیں

(۱۹) ومن الناس من یقول آمنا

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ

بالله فاذا اوذی فی الله جعل فتنة الناس کعذاب الله (عنکبوت)

ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب انکو خدا کی راہ میں کوئی تکلیف پہنچی تو انھوں نے لوگوں کی تکلیف دہی کو مثل عذاب الٰہی کے قرار دے لیا،

(۲۰) فبای حدیث بعد الله وآیاته یؤمنون (جاثیہ)

تو اللہ اور اسکی آیتوں کو چھوڑ کر یہ لوگ کس بات پر ایمان لائینگے۔

(۲۱) لتؤمنوا بالله ورسوله وتعزروه وتوقروه ۔

تاکہ تم لوگ اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اسکی مدد کرو اور اسکو بزرگ سمجھو،

(۲۲) ومن لم یؤمن بالله ورسوله فانا اعتدنا للکافرین سعیرًا (فتح)

اور جو شخص خدا اور اسکے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کیلئے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے، مومن تو بس وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔

(۲۳) آمنوا بالله ورسوله وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیه مالکم لا تؤمنون بالله والرسول یدعوکم لتؤمنوا بربکم ۔

اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور جس مال میں تم کو اس نے اگلوں کا خلیفہ قرار دیا ہے اسمیں سے کچھ اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرو اور تم کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تمکو بلا رہے ہیں تاکہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ،

(۲۵) والذین امنوا باللہ ورسلہ
اولئک ھم الصدیقون و
الشھداء عند ربھم۔

اور جو لوگ اللہ اور اُسکے رسول پر ایمان
لائے وہی اپنے پروردگار کے نزدیک
صدیقین و شہداء میں داخل ہیں۔

(۲۶) اعدت للذین امنوا باللہ
ورسلہ (حدید)

مہیا کی گئی ہے (وہ جنت) ان لوگوں
کے لئے جو اللہ اور اُسکے پیغمبروں پر
ایمان لائے ہیں،

---

(۲۷) ذلک لتؤمنوا باللہ و
رسولہ (مجادلہ)

یہ حکم اس لئے کہ تم اللہ اور اُس کے
رسول پر ایمان لاؤ،

(۲۸) یخرجون الرسول وایاکم
ان تؤمنوا باللہ ربکم
(ممتحنہ)

وہ لوگ تم کو اور رسول کو اس بات پر
گھر سے نکالتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان
لائے جو تمھارا پروردگار ہے۔

(۲۹) تؤمنون باللہ ورسولہ (صف)

اللہ اور اُسکے رسول پر ایمان لاتے ہو تو

(۳۰) فامنوا باللہ ورسولہ والنور
الذی انزلنا۔

ایمان لاؤ تم اللہ پر اور اُسکے رسول پر
اور اُس نور پر جو ہم نے نازل کیا،

(۳۱) ومن یؤمن باللہ
ویعمل صالحا یکفر عنہ
سیئاتہ

اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور اچھے
کام کرے تو وہ اُس سے اُسکی برائیوں کو
دور کر دے گا۔

(۳۲) ومن یؤمن باللہ یھد قلبہ (تغابن)

اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے تو اللہ اُسکے دل کی ہدایت کرتا ہے۔

(۳۳) ذالکم یوعظ بہ من یؤمن باللہ والیوم الاخر

ان باتوں سے اُس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو۔

(۳۴) ومن یومن باللہ ویعمل صالحا یدخلہ جنات تجری من تحتھا الانھار (طلاق)

اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کرے تو اللہ اُسکو اُن باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

---

(۳۵) قل ھو الرحمن امنا بہ وعلیہ توکلنا (ملک)

کہدو کہ وہی بڑا رحم کرنے والا ہے ہم اُس پر ایمان لائے اور اسی پر ہم نے بھروسہ کر لیا ہے

(۳۶) انہ کان لا یؤمن باللہ العظیم (حاقہ)

بے شک وہ خدائے بزرگ پر ایمان نہ لاتا تھا۔

(۳۷) فمن یؤمن بربہ فلا یخاف بخسا ولا رھقا (جن)

جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لائے گا وہ نہ نقصان کا خوف کریگا نہ ظلم کا

(۳۸) وما نقموا منھم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید۔

اور وہ لوگ اُن مومنین سے صرف اس بات پر ناخوش ہوئے کہ وہ اللہ پر ایمان لاتے

جو غالب اور سزاوار حمد ہے،

ان تمام آیات میں پیرایہ بدل بدل کر مختلف عنوانوں سے ایمان باللہ کی طرف دعوت دی گئی ہے اور اس کو مدار نجات بتلایا گیا ہے لیکن قرآن مجید میں کسی جگہ ایمان بتوحید اللہ کی لفظ نہیں ملتی مثلاً آمنوا بتوحید اللہ ، یومنوا بتوحید اللہ ، الّذین آمنوا بتوحید اللہ وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے مخاطب طبقہ میں تو حفاظ قرآن کی کمی نہیں ، اُن کو اپنی محنت وریاضت کے صرف کرنے کا یہی موقع ہے۔ قرآن سے ایک ہی آیت ایسی نکال دیں جس میں ایمان کی لفظ کا انتساب توحید اللہ کی طرف کرکے تصریحاً ایمان بتوحید اللہ کی دعوت دی گئی ہو لیکن میں ایک ایسے فرقہ سے تعلق رکھتے ہوئے جس کے متعلق اس کے مخالفین کا یہ بے بنیاد خیال ہے کہ اُن میں حافظ قرآن نہیں ہو سکتا صرف اپنے غور و خوض اور تدبر فی القرآن پر بھروسہ کرکے دعویٰ سے کہتا ہوں کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں مل سکتی جس میں ایمان کی لفظ کو توحید کے ساتھ منضم کیا گیا ہو۔

اگر ایمان باللہ کا مفہوم صرف وجود باری تعالیٰ کا اقرار و اعتراف ہے جیسا کہ اُس کے ظاہری معنی پر جمود اختیار کرنے کا اقتضا ہے تو وہ توحید کو

کسی طرح نہیں بتلاتا، مادیین اور دہریین کہ جو اصل وجود خالق کے منکر ہیں
اُنکے سوا تمام فرق عالم کائنات کے لئے خالق کے وجود کا اعتراف رکھتے
ہیں جو کچھ بھی ہے وہ اُس کے خصوصیات و اوصاف میں اختلاف ہے
ثنویہ دو، اور نصاریٰ تین مان کر بھی اُس کے وجود کے معترف ہیں اور بت
پرست بھی اپنے اصنام کو اُس کی ذات کا مظہر فرض کرکے اُسکی ہستی کا اقرار کرتے
ہیں، درصورتیکہ ایمان باللہ میں ذات باری کے وجود کا اعتراف کافی ہو یہ
سب مومن باللہ قرار پائینگے اور آیہ شریفہ وما یؤمن اکثرھم
باللہ الا وھم مشرکون (سورۂ یوسف) میں الا کو اگر استثنائے
متصل فرض کیا جائے جیسا کہ اُس کے ظاہری معنی کا اقتضا ہے تو وہ صاف
بتلا رہی ہے کہ مشرکین کو ایمان باللہ حاصل رہتا ہے،

اس صورت میں ان آیات سے کسی طرح توحید کا رکن ایمان ہونا ثابت نہیں
ہوتا، اور چونکہ مستفسر کے نزدیک اصول دین میں سے ہونے کا معیار یہ ہے
کہ ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالکتاب وغیرہ کی ہئیت ترکیبیہ اور اسی
صورت سے جس شئے کے ایمان کا حکم قرآن میں ہو وہی داخل اصول دین ہو
سکتی ہے، اور اسی لئے وہ عدل کے واقعی اصول دین ہونے سے منکر ہیں
کیونکہ قرآن میں کہیں ایمان بالعدل کے لفظ سے اُس کا حکم نہیں دیا گیا ہے
تو اس صورت میں اُن کو اپنے اعتقاد توحید سے ہاتھ دھونا چاہیئے اس لئے

کہ قرآن مجید میں کہیں ایمان بالتوحید کی لفظ کا وجود نہیں ہے،

اور اگر ایمان باللہ کا مفہوم ذرا وسیع ہے یعنی وہ صرف وجود باری کے اقرار کا نام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو اُن خصوصیات و اوصاف کے ساتھ جو اس کے شایان شان ہیں ماننا اُس کا حقیقی محصل ہے تو اس کے تحت میں جس طرح توحید مندرج ہوتی ہے اُسی طرح عدل بھی داخل ہے،

اگر آیات آلٰہیہ میں تدبر کیا جائے تو ایمان باللہ کے یہی دوسرے معنی متعین ہو جاتے ہیں۔

سابق معنی کی رو سے ایمان باللہ یہود و نصاری بلکہ عباد اصنام ثنویہ اور مجوس کو بھی حاصل ہے اور ظاہر ہے کہ ملک عرب میں نزول قرآن اور اسلامی آغاز کے دور میں زیادہ تر یہود اور عباد اصنام کی کثرت تھی طبیعین و دہریین کا وجود شاید النادر کالمعدوم کا مصداق ہو۔

ایسی صورت میں تابڑ توڑ مسلسل پیہم آیتوں میں پیرایہ بدل بدل کر ایمان باللہ کی دعوت دینا اور صرف وجود باری تعالیٰ کے اقرار لینے میں اتنا بڑا اہتمام صرف کرنا بالکل بے موقع، بے فائدہ اور فضول تحصیل حاصل ہے اور اس صورت میں سورۂ یوسف والی آیت کے کلمۂ الا کو استثنائے منقطع پر محمول کرنا ناگزیر ہے۔

ذات اگر ایسی ہو کہ اشارۂ حسیہ اس کی طرف ممکن ہے تو اسکے متعلق اعتراف

واقرار اُسکے اوصاف پر موقوف نہیں، حواس ظاہریہ سے اُس کا ادراک کرکے اُسکے وجود کا اقرار ہو سکتا ہے اگرچہ بعض اوصاف اُس کے معرض انکار میں ہوں، لیکن جبکہ ذات ایسی ہو جس کے ادراک سے حواس ظاہریہ قاصر ہوں تو اس صورت میں اُس کا ادراک معرفت، ایمان، تصدیق سب کچھ موقوف ہے اس بات پر کہ اُسکے اوصاف کے ذریعہ سے اشارہ کیا جائے اب اگر اُسکے وہ اوصاف جو واقعی ہیں اُن کی تصدیق حاصل ہے تو انھیں اوصاف کے ذریعہ سے اُس کی طرف اشارہ ہوگا اور چونکہ یہ اوصاف اس پر حقیقۃً منطبق ہیں لہٰذا یہ ایمان و تصدیق وادراک اُسی ذات کا قرار پائیگا لیکن اگر اس کے اوصاف واقعیہ کا ایمان وادراک نہیں بلکہ ایسے اوصاف کا عقیدہ ہے جو اُسکی شان قدس و جلال کے خلاف ہیں تو جب ان اوصاف کے ذریعہ سے اُن کے موصوف کی طرف اشارہ اور اُس موصوف پر ایمان ہوگا تو یہ کسی طرح اُس ذات پر منطبق نہیں ہو سکتا جو اُن اوصاف سے متصف نہیں،

چونکہ باری تعالیٰ ایسی ذات ہے کہ اشارۂ حسیہ اُسکی طرف ممکن نہیں لہٰذا اُس پہ ایمان وادراک اس امر پر موقوف ہے کہ اُس کے اوصاف کے ذریعہ سے اشارہ کرکے اُسکی ذات مخصوصہ کا ایمان حاصل ہو، اگر اُسکے واقعی اوصاف ثبوتیہ وسلبیہ کے خلاف دیگر اوصاف کا اعتقاد ہو تو چونکہ یہ اوصاف اُس پر منطبق نہیں لہٰذا کسی طرح یہ ادراک و ایمان اسکے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتا

جاہل اور نافہم عوام بھی شاید اس مطلب کو سمجھ لیں گے کہ جب باری تعالیٰ واقعاً واحد، عالم، قادر، حکیم، عادل، جسم و جسمانیات سے منزہ و مبرّا ہے تو انسان کا اعتقاد یہ ہے کہ خدا وہ ہے جو ایک نہیں بلکہ متعدد ہستیاں رکھتا ہے یا جہل سے متصف ہے یا حکیم و عادل نہیں بلکہ عبث و ظلم اُس پر صحیح ہے یا جسم و جسمانیات رکھتا ہے تو یہ اعتقاد کسی طرح اُس خدا کا اعتقاد نہیں جو یہ اوصاف نہیں رکھتا بلکہ واحد عالم قدیر حکیم وغیرہ ہے، یہ اعتقاد ایک طبعزاد و خانہ ساز خدا کا اعتقاد ہے کہ جس کے وجود سے صفحۂ ہستی خالی ہے، ہمارے اس بیان سے یہ امر بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ ایمان باللہ کے معنی ہی یہ ہیں، کہ باری تعالیٰ کا ان اوصاف کے ساتھ جو اس کے شایان شان ہیں اعتقاد حاصل ہو، اسی صورت سے توحید ایمان باللہ میں داخل اور اسی حیثیت سے عدل ایمان باللہ کا رکن ہے اور اسی اعتبار سے باری تعالیٰ کے تمام اوصاف جو عقلی و سمعی ادلہ سے ثابت ہو جائیں ایمان باللہ کا جز ہیں۔

قرآن میں عدل و توحید کا مساوی پلّہ

قرآن مجید میں جس طرح خداوند عالم کے لئے وحدت کو مختلف پیرایوں میں طرح طرح کا لباس پہنا کر ثابت کیا گیا ہے اُسی طرح عدل کو بھی بار بار

صورت بدل بدل کر پیش کیا گیا ہے اور باری تعالیٰ کے لئے صفت عدل

ثابت کرنے میں پورا اہتمام صرف کیا گیا ہے۔

جس طرح توحید میں ایجابی اور سلبی دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھتے ہوئے

کبھی قل ھو اللہ احد کہکر اُس کی وحدت کو ثابت کیا گیا ہے اور کبھی

لا تقولوا ثلثۃ اور لا الٰہ الا ھو کہکر تعدد کی نفی کی گئی ہے اسی طرح

عدل میں ان دونوں ایجابی و سلبی پہلوؤں کا لحاظ کیا گیا ہے۔

ایک طرف اس صفت کو جملہ ثبوتیہ کی صورت میں باری تعالیٰ کے لئے

ثابت کیا گیا ہے اور دوسری طرف اُس کے مخالف وصف ظلم کی جناب

باری عز اسمہ سے نفی کی گئی ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن میں توحید

و عدل کا پلہ مساوی ہے اور جس طرح توحید کا اعتقاد ضروری ہے۔ اُسی

طرح عدل کا اعتقاد بھی ایمان باللہ کے تحت میں لازمی ہے۔

عدل کی حقیقت

کہنے میں تو یہ سہ حرفی لفظ اور اُسکے معنی بھی بالکل مختصر ہیں لیکن نتائج

و فروع کی حیثیت سے یہ صفت بہت وسیع ہو جاتی ہے۔

عدل کا اعتقاد رکھنے کے ساتھ جس طرح ایک مرد مومن کامل باری تعالیٰ

سے ظلم کی نفی کرتا ہے اسی طرح ظلم کے جتنے فروع اور متعلقات ہیں اُنکی بھی

ذات احدیت سے نفی کر دیتا ہے ظلم اور بے انصافی کو خدا پر جائز سمجھنے والے اُس کے ساتھ بہت سے لوازم کے پابند ہونے پر مجبور رہیں۔

خدا کا اپنے بندوں کو بُرے کاموں پر مجبور کرنا اور پھر خود ہی اُن کو سزا دینا، بندوں کو اُن کی طاقت سے زیادہ تکلیف دینا، فرماں بردار بندوں کے ساتھ ناانصافی کر کے اُن کو عمل سے کم بدلا دینا، نافرمان بندوں کو اُن کے استحقاق سے زیادہ سزا دینا، بندوں پر بغیر قصور کے عذاب نازل کرنا، اپنے احکام کو پہنچائے بغیر اُن کی مخالفت پر عقاب کرنا وغیرہ وغیرہ اور عدل باری تعالیٰ کے یہ معنی ہیں کہ وہ ان تمام افعال و اوصاف سے منزہ و مبرا ہے، قرآن مجید نے جس طرح صفت عدل کا نام لے کر اُسے باری تعالیٰ کے لئے ثابت اور ظلم کا نام لیکر اُس سے نفی کی ہے اسی طرح ظلم کے تمام آثار و لوازم کو طرح طرح سے خدا کی ذات سے علیحدہ کر کے عدل کی ایک مکمل تصویر پیش کر دی ہے اور یہ تمام آیات جناب باری کے صفت عدل کی دلیل ہیں اگر موقع ہوتا تو ہم ہر آیت کے ذیل میں اُس کی شرح و تفسیر بھی لکھتے جاتے لیکن اختصار کا خیال اور ضیق وقت مجبور کرتا ہے کہ صرف اُن کی فہرست پیش کر دیں۔

وننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمومنین۔

آیاتِ قرآن کا متفقہ فیصلہ

خدا عادل ہے ظالم نہیں

(۱) شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ والوا لعلم قائماً بالقسط
(آل عمران پ ۳)

خدا اور ملائکہ اور تمام صاحبان علم گواہ ہیں کہ سوا اللہ کے کوئی خدا نہیں اور وہ صفت عدل کے ساتھ قائم و دائم ہے۔

(۲) ذلک بما قدمت ایدیکم وان اللہ لیس بظلام للعبید
(آل عمران پ ۴)

یہ تو انھیں کاموں کا بدلا ہے جو تمھارے ہاتھوں نے پہلے کر رکھے ہیں اور خدا ہرگز بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے

(۳) ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ (نساء پ ۵)

خدا ہرگز ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

(۴) وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلماتہ
(انعام پ ۸)

تمھارے پروردگار کی بات سچائی اور عدل کے ساتھ پوری اُتری۔ اُسکی بات کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

(۵) قل امر ربی بالقسط
(اعراف پ ۸)

کہدو کہ میرے پروردگار نے مجھ کو عدل وانصاف کا حکم دیا ہے۔

(۶) ان اللہ لا یظلم الناس شیئا ولکن الناس انفسھم یظلمون (یونس پ ۱۱)

یقین جانو اللہ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنے اُوپر ظلم کرتے ہیں۔

(۷) وما ظلمناھم ولکن ظلموا انفسھم۔ (ھود پ ۱۲)

ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا مگر خود اُنھوں نے اپنے اُوپر ظلم کیا۔

(۸) ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (نحل پ ۱۴)

بے شک اللہ تم کو عدل وانصاف نیکی واحسان کا حکم دیتا ہے۔

(۹) ونضع الموازین القسط یوم القیامۃ فلا تظلم نفس شیئا وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بھا وکفی بنا حاسبین (انبیاء پ ۱۷)

ہم قیامت کے دن عدل کی ترازویں کھڑی کر دینگے لہٰذا کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کا عمل ہوگا تو ہم اُس کو سامنے لے آئینگے اور ہم سے بڑھ کر کون حساب کرنے والا ہو سکتا ہے،

---

(۱۰) ذالک بما قدمت یداک وان اللہ لیس بظلام للعبید (حج پ ۱۷)

یہ انھیں کاموں کا بدلہ ہے جو تو نے اپنے ہاتھ سے پہلے کر رکھے ہیں اور خدا ہرگز بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

(۱۱) وما اللہ یرید ظلما للعباد

خدا کا ارادہ بندوں پر ظلم کے ساتھ

(مومن پ۲۴)

(۱۲) من عمل صالحًا فلنفسہ
ومن اساء فعلیہا وما ربک
بظلام للعبید۔

(حٰمٓ سجدہ پ۲۵)

(۱۳) ما یبدّل القول لدیّ وما
انا بظلام للعبید (ق پ۲۶)

(۱۴) ذلک بما قدمت ایدکم
ان اللہ لیس بظلام للعبید

(انفال پ۱۰)

(۱۵) ان اللہ لا یغیر ما بقوم
حتی یغیّروا ما بانفسھم

(رعد پ۱۳)

(۱۶) ام نجعل الذین امنوا و
عملوا الصالحات کالمفسدین
فی الارض ام نجعل المتقین
کالفجار (ص پ۲۳)

متعلق نہیں ہوتا۔

جس نے اچھے کام کئے اپنے نفع کیلئے
کئے اور جس نے بُرے کام کئے اُس نے اپنا ہی
نقصان کیا اور تمھارا پروردگار لوگوں
پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

میرے یہاں بات بدلا نہیں کرتی اور نہ
میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔

یہ تو انھیں کاموں کا بدلہ ہے جو تمھارے
ہاتھوں نے پہلے سے کر رکھے ہیں اور خدا
ہرگز بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

خدا کسی قوم سے اس نعمت کو جو ان میں ہے
خواہ مخواہ سلب نہیں کرتا جبتک وہ لوگ خود
اپنی نفسانی حالت کو بدل نہ دیں،

کیا ہم ان لوگوں کے ساتھ جنھوں نے
ایمان اختیار کیا اور اچھے اعمال کئے
اُن لوگوں کا سا برتاؤ کریں جنھوں نے
زمین پر فساد برپا کیا ہم پرہیزگاروں

کو بدکاروں کے مثل بنادیں۔

(۱۷) من عمل صالحًا فلنفسه ومن اساء فعلیها۔
(جاشیه پ ۲۵)

جس نے اچھے اعمال کئے اُس نے اپنے لئے کئے اور جس نے بُرے کام کئے اس نے اپنا ہی نقصان کیا۔

(۱۸) والّذین اٰمنوا واتّبعتهم ذرّیتهم بایمان الحقنا بهم ذرّیتهم وما التناهم من عملهم من شیئ کل امرئ بما کسب رهین
(طور پ ۲۷)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے بھی ایمان میں اُنکا ساتھ دیا تو ہم انکی اولاد کو بھی اُنکے درجہ تک پہنچادیں گے اور ہم نے اُنکے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا ہر شخص اپنے اعمال کے عیوض رہن ہے۔

(۱۹) الّا تزر وازرة وزر اخری وان لیس للانسان الّا ما سعی وانّ سعیه سوف یری ثم یجزیه الجزاء الاوفی۔
(نجم پ ۲۷)

کسی پر دوسرے کے گناہ کا بار نہیں پڑے گا اور انسان کے لئے وہی مقرر ہے جتنی اُس نے کوشش کی ہے اور اُسکی کوشش کا عنقریب ہی جائزہ لے لیا جائیگا پھر اُس کو بھرپور بدلہ دیا جائیگا

(۲۰) لا یکلّف اللّٰه نفسًا الّا وسعها (بقرہ پ ۲)

کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اُس کی وسعت بھر۔

(۲۱) لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعها لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت (بقرہ پ۳)

خدا کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اُسکی وسعت بھر اُس کا اچھا کام اُسکے لئے اور بُرا کام اُسی کے نقصان کا باعث ہے۔

(۲۲) واوفوا الکیل والمیزان بالقسط لا تکلف نفسا الا وسعها واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ وبعهد اللہ اوفوا۔

(انعام پ۸)

ناپ اور تول کو عدل و انصاف سے پورا کیا کرو ہم کسی کو اُسکی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب بات کہو تو عدل و انصاف کے ساتھ اگر رشتہ دار کے مقابل میں ہو اور خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو

(۲۳) لا نکلف نفسًا الا وسعها

(اعراف پ۸)

ہم کسی کو اس کی وسعت سے زائد تکلیف نہیں دیتے۔

(۲۴) لا نکلف نفسًا الا وسعها ولدینا کتاب ینطق بالحق وهم لا یظلمون

(مومنون پ۱۸)

ہم کسی شخص کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس لوگوں کے اعمال کی ایک کتاب ہے جو ٹھیک بتلاتی ہے اور اُن لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

---

(۲۵) لینفق ذو سعة من سعته ومن قدر علیه رزقه

وسعت رکھنے والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے اور جس کی

فلینفق مما اتاہ اللہ لا
یکلف اللہ نفسا الا ما
اتٰھا۔
(طلاق پ۲۸)

روزی تنگ ہے وہ جتنا خدا نے اُسے
دیا ہے اُسمیں سے صرف کرے خدا نے
جتنی وسعت دی ہے اُسی کے مطابق
تکلیف دیا کرتا ہے۔

(۲۶) ذلک ان لم یکن ربک
مہلک القریٰ بظلم و اھلھا
غافلون۔
(انعام پ۸)

بات یہ ہے کہ تمھارے پروردگار کا یہ
شیوہ نہیں ہے کہ بستیوں کو ظلم و زبردستی
کے ساتھ ہلاک کر دے درصورتیکہ باشندے
اُن کے بے خبر ہوں۔

(۲۷) وما کان ربک لیھلک
القریٰ بظلم و اھلھا
مصلحون (ھود پ۱۲)

تمھارے پروردگار کے یہ شایان نہیں کہ
وہ بستیاں کی بستیاں ظلم و ستم کیساتھ اجاڑ
دے حالانکہ باشندے اُنکے نیکوکار ہوں

(۲۸) تلک امۃ قد خلت لھا
ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا
تسئلون عما کانوا یعملون۔
(بقرہ پ۱)

یہ وہ لوگ تھے کہ جو گذر گئے اُنکے لئے
اُنکی کارگذاری ہے اور تمھارے لیے تمھاری
کارگذاری اور جو کچھ وہ کرگذرے اُسکی
پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی۔

(۲۹) من جاء بالحسنۃ فلہ
عشر امثالھا ومن جاء بالسیئۃ

جو شخص نیکی کرے گا اُس کو اُسکا دس گنا
ثواب عطا ہوگا اور جو شخص بدی کرے تو

فلا یجزیٰ الا مثلہا وھم لا یظلمون (انعام پ ا)

اُسکی سزا اُسکے برابر ہی دیجائے گی اور اُسکے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوگا،

(۳۰) ھل یجزون الا ما کانوا یعملون (سبا پ ۲۲)

جو اعمال اُنھوں نے کئے تھے اُسی کے مطابق اُن کو جزا دیجائے گی،

(۳۱) ولا تکسب کل نفس الا علیہا ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ (انعام پ ا)

جو شخص کوئی بُرا کام کرتا ہے تو اُسکا نقصان اُسی کیلئے ہے اور کسی پر دوسرے کے گناہ کا بار نہیں پڑے گا۔

(۳۲) من اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیہا ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (بنی اسرائیل پ ۱۵)

جو شخص صحیح راستہ پر چلتا ہے وہ اپنے ہی لئے چلتا ہے اور جو راستہ سے بھٹکتا ہے وہ بھٹک کر اپنا ہی خود نقصان کرتا ہے اور کوئی دوسرے کے گناہ کا بار نہیں اُٹھا سکتا۔ اور ہمارا کبھی شیوہ نہیں رہا کہ کسی قوم پر عذاب کریں جب تک کہ کوئی رسول اُنکی طرف مبعوث نہ کردیں۔

(۳۳) قل لا تسألون عما اجرمنا ولا نسأل عما تعملون (سبا پ ۲۲)

تُم اُن سے کہدو کہ نہ ہمارے گناہوں کی تم سے پوچھ گچھ ہوگی اور نہ تمھاری کارستانیوں کی ہم سے باز پُرس۔

(۳۴) ولا تزر وازرة وزر اخرى وان تدع مثقلة الى حملها لا يحمل منه شيئ ولو كان ذا قربى۔
(فاطر پ ۲۲)

کوئی دوسرے کے گناہ کا بار نہ اُٹھائیگا اور اگر کوئی گراں بار کسی کو اپنا بار اُٹھانے کیلئے بلائے تو اُس کے بار میں سے کچھ بھی نہ اٹھایا جائے گا، اگرچہ اُس کا عزیز قریب ہو۔

(۳۵) ولا تزر وازرة وزر اخرى (زمر پ ۲۳)

اور کوئی کسی دوسرے کے بار کو نہ اُٹھائے گا۔

(۳۶) فمن اهتدى فلنفسه ومن ضل فانما يضل عليها
(زمر پ ۲۴)

جو شخص راہ راست کو اختیار کرے اُس نے اپنا ہی نفع کیا اور جو بُری راہ لگے اُس نے اپنا ہی نقصان کیا۔

---

(۳۷) من عمل صالحًا فلنفسه ومن اساء فعليها۔
جاثیہ پ ۲۵

جو نیک اعمال کرے تو وہ اُسکے نفع کیلئے ہیں اور جو بُرے کام کرے تو وہ اُسی کے نقصان کا باعث ہیں۔

(۳۸) وما كان الله ليضل قومًا بعد اذ هديهم حتى يبين لهم ما يتقون۔

خدا کیلئے یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی قوم کو بعد اسکے کہ اُن کو صحیح راستہ پر چلا چکا ہے ترک کر دے جب تک کہ اُن کو

قابل اجتناب چیزیں نبلانہ دے۔

(۳۹) لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیٰی من حی عن بینۃ۔

جو شخص ہلاک ہو وہ حجت تمام ہونے کے بعد اور جس کو زندگانی حاصل ہو وہ بھی بعد اتمام حجت،

(۴۰) من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔

جو ایک ذرہ بھر نیک کام کرے گا اُس کا انجام دیکھ لیگا اور جو ایک ذرّہ بھر بد کام کریگا اسکو بھی دیکھ لیگا،

ایک چھوڑ چالیس آیتیں

کیا اب بھی مطالبہ پُورا نہیں ہوا؟

قرآن مجید کی ایک آیت بھی اگر کسی چیز کی گواہی دے تو اُس پر ایمان لانا مسلمانوں کا فرض ہے چہ جائیکہ چالیس آیتیں متفقہ طور پر یک زبان و یک آہنگ ہو کر ایک مطلب کو بیان کریں۔ اس سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ باری تعالیٰ کی نظر میں صفت عدالت کو کتنی اہمیت حاصل ہے اور وہ کسی طرح راضی نہیں کہ اُس کی طرف ظلم کا توہم بھی ہو سکے، وہ تابڑ توڑ مسلسل آیتوں سے اِس امر پر زور دیتا ہے کہ خداوند عالم عادل ہے اور اُس کے

کاموں میں ظلم کا شائبہ نہیں، لیکن افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان پھر بھی اس پر ظلم کو روا سمجھتے رہے، مستفسر صاحب بھی اسی گروہ میں داخل ہیں، اُن کا خیال ہے کہ شیعوں نے عدل کو اپنی عقل محض سے مدارِ ایمان بنا رکھا ہے اور وہ خانہ ساز اصول میں سے ہے اور جس مذہب میں خدا کا عادل سمجھنا ضروری ہے "وہ شیعوں کا عقلی و اختراعی ہے نہ کہ من عند اللہ" وہ بڑے زور شور سے سوال کی صورت میں مطالبہ کرتے ہیں "کیا ایمان باللہ ایمان بالرسول، ایمان بالیوم الآخر کی طرح عدل پر ایمان لانے کے لئے قرآن مجید میں کوئی ایک آیت بھی موجود ہے" کوئی ایک کے بجائے چالیس آیتیں دیکھ لینے کے بعد بھی معلوم نہیں مستفسر کا مطالبہ پورا ہو گا یا پھر یہی سوال کریں گے کہ "کیا عدل پر ایمان کے لئے کوئی آیت قرآن میں ہے"؟

اصُول دین اور اصُول مذہب کی تشریح

توحید و عدل کا اصلی مفہوم

مذکورہ بالا بیانات سے یہ امر بخوبی ثابت ہو چکا ہے کہ ایمان باللہ کے تحت میں خداوند کریم کے تمام صفات کمال کا جو ادلہ قطعیہ سے ثابت ہو جائیں اعتقاد ضروری ہے، اور یہ سب مدارِ نجات ہیں اور ایک مسلمان حقیقی طور پر اُسی وقت مسلمان اور مومن ہو سکتا ہے جب وہ اُن تمام پر ایمان رکھے،

توحید و عدل اگرچہ ظاہر میں دو مختصر مفہوم ہیں لیکن علم کلام پر عبور حاصل کرنے والا اس امر کو سمجھ سکتا ہے کہ یہ دونوں مفہوم باری تعالیٰ کے تمام اوصاف ثبوتیہ و سلبیہ صفات ذات و صفات فعل سب پر حاوی ہیں، یہ دونوں دو سر خیال ہیں جن کے تحت میں متعدد ابواب مندرج ہیں، توحید کے ذیل میں وجود صانع، وجوب ذاتی قدم، علم، قدرت، حیات ارادہ، نفی شریک نفی اختلاج، نفی جسم و جسمانیات وغیرہ وغیرہ سب داخل ہیں اور عدل کے تحت میں نفی جبر نفی ظلم، عدالت اور انصاف اور اسکے تمام فروع و شعب مندرج ہیں اور چونکہ انہی سب کا اعتقاد بحیثیت مجموعی ایمان باللہ کا مرادف ہے اور اُس پر تمام اعمال و عبادات کی قبولیت متفرع ہے اس لئے توحید و عدل اپنے مذکورہ بالا وسیع معنی کے ساتھ اصول دین میں داخل ہیں۔

وہ چیزیں کہ جن پر ایمان رکھنا ضروری ہے اگرچہ سب مدار نجات ہیں اور آخروی فلاح و نجاح اُن کے اعتقاد پر موقوف ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اُن میں سے ہر ایک کا منکر ظاہری احکام کی رُو سے بھی کافر سمجھا جائے

حضرت رسالتمآبؐ نے خود فرمایا تھا ستفترق امتی علی ثلث و سبعین فرقۃ کلھم فی النار الا واحدۃ اس سے صاف ظاہر ہے

کہ اسلامی جماعت میں تفرقہ بازی ہو گی اور اسکے ۷۳ فرقے ہو جائینگے مگر یہ سب
اُمت نبی میں داخل اور اسلامی جامعہ کے اجزا ہیں لیکن نجات ان میں سے
صرف ایک ہی جماعت کے لئے ہے ۔

یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری صورت میں اسلام ایک وسیع معنی
رکھتا ہے جو تمام فرق اسلامیہ کو شامل ہے، ایسی صورت میں ہر وہ عقیدہ کہ
جس پر نجات کا انحصار ہو ضروری نہیں کہ اس کا منکر دائرہ اسلام سے بھی
خارج ہو جائے لیکن بعض ایسے اہم عقائد ضرور ہیں جو اسلام کے مخصوص
ارکان ہیں اور جن میں تمام مسلمان برابر سے شریک ہیں کہ اُن کا انکار کرنے والا شخص
اسلامی دائرہ سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر اُن عقائد میں جو حقیقتہً
اُصول دین اور مدار ایمان اور معیار نجات ہیں ایک دوسری اصطلاحی نگاہ
ڈال کر فرق قرار دے دیا گیا ہے۔

وہ عقائد کہ جن میں تمام مسلمان ناجی اور غیر ناجی سب کے سب شریک ہیں اور
جن کے بغیر کوئی شخص ظاہری حیثیت سے بھی مسلمان نہیں ہو سکتا اُن کا نام
اُصول دین رکھا گیا ہے اور وہ عقائد کہ جن کا بہت سے فرق اسلام نے انکار
کیا ہے لیکن حقیقتہً وہ ادلۂ قطعیہ سے ثابت ہیں اور مدار نجات و ایمان ہیں
اُن کا نام اصول مذہب ہے۔

اور چونکہ صحیح مذہب ہی دین واقع کا صحیح مصداق ہے اسلئے اُس کے

جو اصول ہوں وہی حقیقتہً دین کے اصول ہیں اور ان الدین عند اللہ الاسلام، رضیت لکم الاسلام دینا، ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین وغیرہ وغیرہ انہی پر منطبق ہے،

جناب مدیر الواعظ دامت معاویہ کا یہ لکھنا کہ "تین اُصول دین ہیں۔ یعنی توحید نبوت،" "اور دو اصول مذہب ہیں عدالت امامت اور ان پانچوں کو تغلیبًا اصول دین کہتے ہیں" اسی اصطلاح پر مبنی ہے، ہاں بے شک ہماری تحریر سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ یہ پانچوں تغلیبًا نہیں بلکہ تحقیقًا اصول دین ہیں اور تین کو اصول دین، دو کو اصول مذہب کہنا صرف ایک اصطلاحی فرق ہے۔

ہمارے اس بیان سے مستفسر کے سوال نمبر۲ اور نمبر۳ کا جواب ہو جاتا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں جب دین کے تین ہی اصول ہیں تو پھر شیعوں کو دو اور خانہ ساز اصول عدل و اثنا عشری امامت کو داخل دین اور شامل ایمانیات کر دینے کا اختیار کہاں سے مل گیا اور جس مذہب کے یہ دو اصول ہیں عدل و امامت وہ شیعوں کا عقلی و اختراعی ہے نہ من عند اللہ جیسا کہ دین اسلام من عند اللہ ہے۔

عقل اور اصولِ دین

مستفسر صاحب جناب نذیر او عظ کے اس فقرہ سے بہت چراغ پا
ہوئے ہیں کہ "اصول دین کی حسن وخوبی و تعیین معرفت محض عقل پر منحصر اور
عقلاً واجب ہے۔"

وہ چاہتے ہیں کہ اصول دین صرف نصوص قرآنیہ سے ثابت ہوں
اور عقل کا قدم درمیان میں نہ آنے پائے لیکن مستفسر سے کون پوچھے کہ اگر عقل
نہ ہو تو اُن پر ایمان لانے کی کیا صورت ہے؟

حضور والا! نصوص قرآنیہ سے کسی مطلب کا یقین کرنا موقوف ہے اس
امر پر کہ آپ تہ دل سے قرآن کی صحت پر ایمان لے آئیں اور قرآن پر ایمان
لانا اس بات پر متفرع ہے کہ رسول کی نبوت اور صدق کا اعتقاد کر لیجئے
اور رسول کی نبوت اور صدق کا اعتقاد اُسی وقت ممکن ہے کہ آپ کسی
باشعور و ارادہ قادر حکیم مطلق ہستی کی الوہیت کا اقرار کر چکے ہوں۔ اب
اگر خدا کی الوہیت، رسول کی رسالت، قرآن کی حقانیت کو خود قرآنی
آیتوں سے ثابت کرنا چاہیں تو گویا منطقی حیثیت سے دور باطل لازم آتا۔

ایک طبیعی دہری کے مقابلہ میں جو وجود خدا کا منکر ہے آپ قل ھو
اللہ احد پڑھ پڑھ کر دم کیجئے تو کیا نتیجہ ہو سکتا ہے

اور ایک عیسائی کے سامنے جو تثلیث کا قائل ہے لا تقولوا ثلٰثۃ انتھوا خیرا لکم کا درو پڑھنے تو اُس پر کیا اثر ہوگا؟

اور ایک آریہ کے آگے جو معاد اور حشر اجساد کا منکر ہو کسی حافظ قرآن کو بلا کر پورا سورہ حشر پڑھوا دیجئے تو وہ کب تسلیم کریگا؟

اور کسی مخالف اسلام کو مناظرہ کے وقت ان الدین عند اللّٰہ الاسلام اور ما محمد الا رسول کہہ کر قائل کرنا چاہیں تو کیا یہ امر مضحکہ خیز نہ ہوگا؟

یقین جانیئے۔ اگر آپ نے خدا کی خدائی، رسول کی رسالت، قرآن کی حقانیت کا خود قرآن میں دیکھکر یقین کیا ہے تو آپ کو خود قرآن کا ایمان نہیں ہے اور اپنے اسلام و ایمان پر نظر ثانی کرنا چاہیئے۔ خدا نے عقل اسی لیئے دی ہے کہ اُس کے ذریعہ سے اُس کی اور اُس کے رسول کی معرفت حاصل ہو، عقل ہی وہ ہے جو ایک باشعور شخص کو ہاتھ پکڑ کر تحقیق کی طرف لے جاتی اور رسول و نبی کے صدق کا یقین دلاتی ہے۔

اگر عقل نہ ہوتی تو انبیاء و رسل کی چیختے چیختے آوازیں پڑ جاتیں اور کوئی ان کی بات بھی نہ سنتا اور اگر سنتا تو اس پر یقین کرنے کا کوئی باعث نہیں تھا۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ آئندہ سے مستفسر صاحب اپنی زبان سے کبھی نہ

نکالیں گے کہ "اصول دین کو عقل سے نہیں بلکہ نصوص قرآنیہ سے سمجھنا چاہیئے"

بے شک اگر اصول دین میں سے کوئی امر ایسا ہو جس کی تصدیق پر قرآن مجید کی سچائی کا اعتقاد موقوف نہیں ہے تو اُس کو قرآن مجید کی رُو سے ثابت کرنا صحیح و درست ہے جس طرح اگر قرآن میں کوئی آیت اس کے متعلق نہ موجود ہو لیکن عقل قطعی طور سے اُس کا فیصلہ کرتی ہو تو اس کا ماننا ضروری ہے عدل کا مسئلہ ایسا ہے کہ اُس میں عقل اور قرآن دونوں متفق طور پر ناطق ہیں، ایک طرف عقل بتلاتی ہے کہ اگر خدا عادل نہ ہو تو جزا اور سزا اور قیامت و معاد سب باطل ہیں اور چونکہ کامل بالذات ہے اس میں نقص کا شائبہ نہیں لہٰذا ظلم اُس پر محال ہے ، دوسری طرف قرآن مختلف انداز سے خدا کے عادل ہونے کی گواہی دے رہا ہے اور ظلم کی صریحی طور سے نفی کرتا ہے، لہٰذا ایک عاقل اور مسلمان شخص کو اُسکے تسلیم کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے ؟

مسئلہ امامت کی مختصر بحث

امامت کے معنی

امامت کے لغوی معنی تو پیشوائی کے ہیں اور اسی حیثیت سے جماعت میں نماز گذاروں کے مقتدا کو امام کہا جاتا ہے لیکن جناب باری کی اصطلاح

میں امامت ایک منصب اور مرتبہ کا نام ہے جس کو وہ صرف اپنے انتخاب سے قابلیت اور استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

خدائی مناصب و مراتب کی حقیقت تک انسانی فہم و ادراک کہاں پہنچ سکتا ہے دنیاوی سلاطین کہ جن کو اُس بارگاہ قدس و جلال سے کوئی نسبت ہی نہیں اُن کے مقرر کئے ہوئے منصب اور مرتبوں کو دیکھ کر ہر شخص یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ اُن کے لئے کوئی خارجی حقیقت اور ماہیت نہیں ہوا کرتی جس کو الفاظ کے ذریعہ سے علیحدہ علیحدہ بیان کیا جائے بلکہ اُن کا تعدد و تمایز و اختلاف سب نظر سلطان اور اُس کے قرارداد و اعتبار پر مبنی ہوتا ہے اور اسی قرارداد کے باعث اُن میں فوقیت و ماتحتی پیدا ہوتی ہے!

بیشک آثار اور لوازم کی حیثیت سے ان منصبوں اور عہدوں میں افتراق و امتیاز کا سمجھنا ممکن ہے، امامت، نبوت، رسالت، یہ تینوں منصب جدا گانہ ہیں جن میں قدرت کی طرف سے مراتب و درجات میں تفاوت رکھا گیا ہے، نبی کی حیثیت صرف اس مخبر کی ہے جو لوگوں کو خدا کی یاد دلائے اُن کو عذاب الٰہی سے ڈرا کر اور ثواب الٰہی کی طرف بلا کر ایمان کے راستہ کی طرف دعوت دے سکے۔

اس سے ذرا بلند رسول کا مرتبہ ہے وہ خدا کا سفیر ہے جو اس کی طرف سے

احکام کا اجراء کرے، قانون نافذ کرے اور اُس پر لوگوں کو عمل پیرا بنائے، نبی و رسول کی تصدیق اگرچہ لازم اور اُس کا اتباع ضروری ہے لیکن اس محدود دائرہ میں کہ جس کے اندر اس کی نبوت اور رسالت کو محدود کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی اسی حیثیت سے کہ وہ مخبر صادق اور سفیر ہے، امامت کا درجہ اُن دونوں سے بلند ہے۔ امام کی صورت نہ مخبر کی ہے نہ سفیر کی بلکہ وہ خدا کی طرف سے پیشوائے خلق اور مطاع مطلق بنا کر کھڑا کیا جاتا ہے، وہ باری تعالیٰ عزاسمہٗ کی طرف سے ایک نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ لوگ اُس کے قدم بقدم چلیں، اس کی بات کو سُن کر عمل کریں، اُسکے ہر طرز عمل کی موافقت کریں اور اسکی اطاعت کو اپنا نصب العین سمجھیں جو شخص نبی یا رسول ہو اُس کے لئے امام ہونا ضروری نہیں اور جو امام خلق قرار دیا جائے اُس کے لئے نبی یا رسول ہونے کی شرط نہیں ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ باری تعالیٰ کسی کامل ہستی میں نبوت رسالت، امامت سب کو جمع کردے۔"

جو شخص نبی و رسول ہے لیکن امام نہیں ہے وہ کسی طرح مرتبہ میں اُس شخص کے برابر نہیں جس کو امامت عطا کردی گئی ہے اور اگر ایسا شخص ہے جس میں قدرت نے نبوت و رسالت و امامت جمع کردی ہے وہ امامت کی حیثیت سے اُس شخص کا جو تنہا امام ہو شریک ہوگا لیکن صفات نفسیہ

اور فضائل ذاتیہ میں ہو سکتا ہے کہ اُس سے مساوی ہو اور ہو سکتا ہے کہ کم ہو یا زیادہ، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چونکہ وہ امام ہونے کے ساتھ رسول و نبی بھی ہے تو اس کا درجہ و مرتبہ زیادہ ہو گا، کیونکہ اعلیٰ مرتبہ میں مساوی ہونے کے ساتھ کسی کا ادنیٰ درجہ پر فائز ہونا اسکی فضیلت کا موجب نہیں ہو سکتا جس طرح اگر دو شخص ایسے ہیں جو مولوی فاضل پاس ہیں لیکن ایک نے ان میں سے مولوی یا عالم کا امتحان بھی دیا ہے تو یہ اس کی افضلیت کا باعث نہیں ہو سکتا، انگریزی دان اصحاب یوں سمجھ سکتے ہیں کہ دو شخص جو بی اے کے درجہ کی برابر سند رکھتے ہوں لیکن ایک اُن میں سے کسی نہ کسی طرح علیحدہ سے پڑھ کر براہ راست بی اے کے امتحان میں شریک ہو کر کامیاب ہوا ہے تو کیا وہ شخص جو بی اے کے قبل انٹرنس کے درجہ کا سرٹیفکیٹ بھی حاصل کر چکا ہے۔ اُس پر فوقیت رکھتا ہے انبیاء سابقین میں جہاں تک نظر ڈالی جاتی ہے اُن کا خط فضیلت نبوت و رسالت کے نقطہ تک منتہی ہو جاتا ہے لیکن ایک ابراہیم خلیل الرحمٰن کی ذات ایسی ہے جس میں مبدأ فیض نے تینوں منصبوں کو جمع کر دیا تھا،

نبی و رسول کا مرتبہ تو پہلے ہی حاصل تھا کلمات تامات کے امتحان میں کامیاب ہونے پر امامت کا درجہ بھی عطا ہوا اور انی جاعلک للناس اماما کی سند مل گئی۔

ہمارے نبی اکرم رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت تمام انبیائے سابقین سے بلا استثناء ثابت ہے۔ لہٰذا یقینی ہے کہ حضرت بھی تینوں منصبوں کے حامل تھے اور رسالت و نبوت کے ساتھ امامت کا درجہ بھی حضرت کو حاصل تھا، اور چونکہ حضرت باری عز اسمہٗ نے حضرت کو پیشوائے مطلق قرار دے کر کسی کا استثناء نہیں کیا تھا لہٰذا یہ ماننا لازمی ہے کہ حضرت افضل خلق تھے،

ہمارے مذکورۂ بالا بیانات سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ امام کے لئے پیشوائے خلق اور مطاع مطلق ہونا ضروری ہے اور باری تعالیٰ کی جانب سے اُس کے قول و عمل کا اتباع تمام افراد بشر کا فرض ہوتا ہے۔

امام اگر خود نبی و رسول ہو تو مستقل طور پر نبی ہونے کی حیثیت سے تبلیغ احکام شریعت کریگا لیکن اگر امامت کا منصب کسی ایسی ہستی کو حاصل ہے کہ جو اُس سے افضل رسول و نبی و امام کی موجودگی میں اُسکے زیر حکم اور تابع فرمان قرار دی گئی ہے تو اُس پیغمبر کی وفات کے بعد اسی ہستی کا پیشوائے خلق ہونا لازمی ہے اور خلافت و نیابت کے لباس میں اس امامت کا ظاہر ہونا ضروری ہے اور امامت کی اس مخصوص قسم کو ان لفظوں میں بیان کرنا صحیح ہے کہ

"ھی الریاسۃ العامۃ الالٰھیۃ خلافۃ عن رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم فی امور الدین والدنیا بحیث یجب اتباعہ علی کافۃ الامۃ" اور یہی وہ ہے کہ جس کو نبوت کی فرع کہا جاتا ہے۔

اس بیان سے یہ امر واضح ہو گیا کہ امامت کا مفہوم ایک ہی ہے، آثار و لوازم اسکے مختلف ہیں۔ ابراہیم کو جو امامت ملی تھی وہ وہی تھی جو خاتم النبیین کے جانشین و وصی امیر المومنین علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لئے ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں بیشک، چونکہ ابراہیم خود نبی و رسول تھے لہذا ان کی امامت استقلالی حیثیت رکھتی تھی اور ہمارے ائمہ معصومین چونکہ خاتم الانبیاء کی شریعت کے حافظ و نگہبان مقرر ہوئے تھے لہذا ان کی امامت جانشینی اور خلافت کے عنوان سے تھی، امامت کی حقیقت ایک ہی ہے صورتیں بدلی ہوئی ہیں۔ اب مستفسر کا یہ اعتراض کہ "کیا جناب ابراہیم کو مرتبہ نبوت و خلت پر فائز ہو چکنے کے بعد بھی امامت بمعنی مصطلح جو غیر نبوت ہے عطا ہوتی تھی تو پھر جناب ابراہیم رتبۂ نبوت پر ممتاز ہونے کے بعد کس رسول کے خلیفہ بنا دیئے گئے اور کس کی خلافت میں ریاست عامہ دینیہ و دنیویہ ان کو ملی" بالکل بے در ہوا ثابت ہو جاتا ہے۔

رہ گیا یہ سوال کہ کیا قرآن مجید میں امامت کا استعمال شیعوں ہی کے اصطلاحی معنی میں ہوا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن میں تو اس لفظ کا استعمال شیعوں کے اصطلاحی معنی میں نہیں ہوا ہے لیکن شیعوں کے اصطلاحی معنی وہی ہیں جنمیں قرآن کے اندر امامت کا استعمال ہوا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر امامت کسی خاص منصب اور مرتبہ کا نام نہ ہو تو ابراہیم سے مخصوص طور پر

انی جاعلک للناس اماماً کہنے کے کوئی معنی نہیں، تمام انبیاء اپنی اپنی اُمت
کے لئے واجب الاتباع ہوتے ہیں اُس میں ابراہیمؑ کی کونسی خصوصیت ہے آخر
نبوت و رسالت کے مراحل ہونے کے بعد ابراہیمؑ میں کونسی کسر رہ گئی تھی کہ اذا
ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات کے مندرجہ کلمات کے ساتھ اُن کا امتحان
لیا گیا اور فاتمھن کے نتیجۂ امتحان اور کامیابی پر انی جاعلک للناس
اماماً کی سند عطا ہوتی۔ ایک سب جج کو امتحان کے بعد کامیاب
ہونے پر منصف کی کرسی دینا صحیح ہے یا جوڈیشل کمشنر کا عہدہ۔

یقیناً کسی مرتبہ پر فائز شخص کو جب امتحان لیکر کامیابی کا انعام دیا
جائیگا تو وہ پہلے مرتبہ سے بلند ہی مرتبہ ہوگا۔

اصل و فرع کا فرق کسی کا طبعزاد نہیں اور نہ مطلق امامت کا لازمہ ہے
بلکہ مخصوصاً جب امامت کسی نبی و رسول کے زیر سعادت ہوگی تو اس میں خود
بخود فرعیت پیدا ہو جانا ضروری ہے۔

امامتِ عامّہ و خاصّہ

جس طرح نبوت میں دو مرحلہ ہیں جنمیں سے ایک نبوت عامہ ہے اور
دوسرے نبوت خاصہ اُسی طرح امامت کی بحث بھی دو حصوں میں منقسم ہے
امامت عامہ اور امامت خاصہ۔

امامت عامہ میں عمومی حیثیت سے ثابت کیا جاتا ہے کہ رسول کی عدم موجودگی میں حفظ شریعت کے لئے ایک امام کا ہونا ضروری ہے اور یہ کہ امامت مخصوص منصب ہے جو خدا کی طرف سے قرار دیا جاتا ہے اور بغیر حبل الٰہی کے حاصل نہیں ہو سکتا اور عصمت نیز اعلمیت و افضلیت وغیرہ اس کے شرائط ہیں۔ امامت خاصہ کے معنی یہ ہیں کہ مخصوص طور پر نصوص قطعیہ سے اُس کی تعیین کی جائے جس کو باری تعالیٰ نے امامت کے لئے منتخب کیا ہے جناب مدیر صاحب الواعظ کے مقالہ میں متعدد آیتیں جو نقل کی گئی ہیں ان میں سے بعض امامت عامہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اُن سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ امامت ایک مخصوص منصب ہے جس کے لئے انتخاب خداوند عالم کی جانب سے ہوتا ہے اور وہی جعلنا منہم ائمۃ وجعلناھم ائمۃ ونجعلھم ائمۃ کی لفظوں میں اپنے انتخاب کا اعلان کیا کرتا ہے، ان آیات کو امامت خاصہ کی دلیل سمجھ کر یہ اعتراض کرنا کہ "ان آیتوں میں جناب موسیٰ اور بنی اسرائیل یا اسحٰق و یعقوب کا تذکرہ ہے ان کو اثنا عشری امامت سے کوئی تعلق نہیں" عدم تدبر کی دلیل نہیں تو کیا ہے۔

امامت اور حکم عقل

مستفسر کو اس امر میں بڑا اُلجھن پیدا ہوا کہ جب اثنا عشری امامت کی تعیین و معرفت شیعوں کی عقل محض پر منحصر اور عقلاً واجب ہے تو پھر باب امامت میں نص خدا اور رسول کو ضروری جاننا چہ معنی دارد؟ لیکن اگر وہ تامل سے کام

لیتے تو اس سوال کا جواب بالکل آسان نظر آتا بیشک امامت کا ضروری ہونا عقلی دلیل سے ثابت ہے اور عقل قطعی طور سے تبلاتی ہے کہ رسولؐ کی وفات کے بعد شریعت نبویہ کی حفاظت کے لئے ایک امام کا ہونا ضروری ہے لیکن وہ امام کون ہو سکتا ہے؟ اس کی تعیین کے لئے عقل حاکم ہے کہ نص خدا و رسول کی ضرورت ہے امام وہی ہو سکتا ہے کہ جو باری تعالیٰ کا انتخاب کیا ہوا اور منصوص من اللہ ہو لہٰذا عقل حکم کے رو سے تعیین شخص امام میں نص خدا و رسول ضروری ہے۔

جعل الٰہی اور نص فعلی

صدیاں گذر گئیں متکلمین و مفسرین و ارباب حدیث کے طبقہ آتے اور منقرض ہو گئے، خلافت کا مبحث بھی ہمیشہ محاذ جنگ بنا رہا اور موافق و مخالف لشکر ہمیشہ ہی صف آرا رہے، علمائے شیعہ بیچارے ہمیشہ پکارتے رہے کہ خلافت امامت کے لئے جعل الٰہی کی ضرورت ہے اور بغیر نص قطعی کے خلافت ثابت نہیں ہو سکتی لیکن علمائے اہلسنت یہی کہتے رہے کہ خلافت و امامت کا جعل الٰہی اور نص خدا و رسول سے کوئی تعلق نہیں، اُمت خود جس کو چاہے اپنے اختیار سے خلیفہ بنا سکتی ہے۔

مستفسر کا ضمیر خود اس عقیدہ کی کمزوری کا معترف تھا لہٰذا اُنھوں نے ذرا اخلاقی جرأت کر کے اپنے قدیم اور دیرینہ اعتقاد سے کنارہ کشی کر کے شیعوں

کی ہمنوائی اختیار کرلی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں :-

آیات قرآنیہ اور نصوص فرقانیہ سے اظہر من الشمس اور ابین من الامس ہے کہ امامت للناس اور خلافت فی الارض کا مدار صرف جعل الٰہی اور خداوند عالم کے نص فعلی پر ہے، رسول کے قول یا فعل کو عطائے امامت و خلافت میں کوئی دخل نہیں ورنہ جناب ابراہیم علیہ السلام اپنی ذرّیت میں سے جس کو چاہتے اپنے قول یا فعل سے امام بنا دیتے اور خدائے ذوالجلال سے اپنی ذرّیت کے لئے استدعائے امامت نہ کرتے۔" پھر صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں۔

" آیت ہذا اس امر کی بین شہادت ہے کہ امامت بدون جعل الٰہی ناممکن الحصول ہے اس لئے جناب ابراہیم خلیل اور رسول ہونے کے باوجود بغیر جعل الٰہی اس منصب جلیل پر فائز نہ ہو سکے اور نہ اپنی ذرّیت میں سے کسی کو اس منصب عظیم پر باختیار خود مامور کر سکے بلکہ بارگاہ الٰہی میں اپنی ذریت میں سے امام بنائے جانے کی التجا کی"۔

پھر صفحہ ۱۰ میں ملاحظہ ہو " خلیفہ فی الارض اور امام للناس وہی ہوتا ہے جس کو خود خداوند عالم بناتا ہے"۔

یہ تو حقیقت کے اعتراف کی وہ آوازیں ہیں جن کو بے اختیار خداوند عالم منکرین کے دہنوں سے نکلوایا کرتا ہے اور یقیناً مستفسر اس حیثیت سے مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بہت صفائی کے ساتھ اپنے مذہبی روایات سے

دستکشی کر کے نصب امام کو جعل اور تعیین باری کا پابند قرار دیا ہے لیکن اُنھوں نے اس کے بعد جس وادی میں قدم رکھا ہے وہ پہلے سے زیادہ خار زار اور پر خطر ہے۔

اُن کا خیال ہے کہ جو شخص کسی نہ کسی طرح تختِ حکومت کا مالک بن جائے اور فوج و لشکر وغیرہ اس کے ہاتھ لگ جائے تو وہ ہی خداوند عالم کی جانب سے منصوص اور معین ہے۔ خود اُس کا لوگوں پر مسلط ہو جانا اُس کے حقیقت کی دلیل اور خداوند عالم کی نص فعلی اور عملی شہادت ہے۔"

زیر بحث رسالہ میں متعدد جگہ اشارۃً و کنایۃً اس مطلب کو لکھا گیا ہے، یہ فرسودہ عقیدہ کہ بندوں کے افعال خیر و شر سب خدا کی طرف استناد رکھتے ہیں اگر اپنے تمام لوازم و آثار کے ساتھ قبول کیا جائے تو یقیناً اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں کا کسی شخص کو خلیفہ اور امام بنانا عیناً خدا کا فعل اور اس کا عملی جعل ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ عقیدہ کچھ اتنا کم قسمت تھا کہ خود اُس کے ماننے والے ہمیشہ تاویل و توجیہ ہی کرتے رہے کیونکہ اُن کے خیال کی بناء پر ثواب و عقاب بیکار اور جزا و سزا باطل ہو جاتی، شراب پینا اس کے پینے والے کا کام نہیں بلکہ خود خدا تعالیٰ کا کام ہے لہٰذا اس بیچارے کو سزا دینے کا نتیجہ؟

امام کے معنی اگر سلطان جابر، ظالم، زبردست، متمرد وغیرہ کے ہیں تو ضرور وہ شخص جس نے بجبر و ظلم و قہر غلبہ و مکر و فریب سلطنتِ دنیا کو

حاصل کر لیا ہے خدا کی طرف سے امام خلق ہے اور خود اس کا سلطان بن جانا اُس کے امام مجعول من اللہ ہونے کی دلیل ہے، اور اس صورت میں چنگیز خان، ہلاکو، تیمور، نادر وغیرہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے امام مجعول من اللہ ہوں گے اور موجودہ زمانہ میں جبکہ اسلامی عثمانی خلافت کا شیرازہ غازی مصطفٰے کمال پاشا کے ہاتھوں بکھر چکا ہے یورپ کے بڑے بڑے سلاطین خدا کی طرف سے مقرر کئے ہوئے امام سمجھے جانا ضروری ہیں۔

لیکن اگر امامت صرف جبر و ظلم قہر و غلبہ سے بادشاہ بن بیٹھنے کا نام نہیں بلکہ امام وہ پیشوائے خلق ہے جس کو خدا نے اپنی جانب سے مقرر فرمایا ہو اور جس کی اطاعت و اتباع کو فریضۂ لازم بنا دیا ہو جیسا کہ قرآن مجید سے ظاہر ہے تو اُس کی تعیین و تشخیص سلطنت و حکومت کا مالک بن جانے سے نہیں ہو سکتی بلکہ اُس کے لیے خداوند عالم کے نص قطعی کی ضرورت ہے جو اس کے رسُول کی زبانی یا قرآن کی صورت میں اُمّت تک پہنچے۔

اگر امامت کے معنی سلطنت، قہر و غلبہ کے ہوں تو مستفسر کو تبلانا چاہیے، کہ ابراہیم کس اقلیم کے بادشاہ بنا دیئے گئے تھے اور ان کو کیا قہر و غلبہ حاصل تھا کیا خدا بھی جھوٹ موٹ کی باتیں بناتا ہے کہ ابراہیم کو اپنے نص فعلی سے امامت عطا نہیں کی لیکن خوش کرنے کے لیے کہہ دیا انی جاعلك للناس اماماً۔ یہ امر بھی غور کے قابل ہے کہ جب امامت کے معنی ظاہری سلطنت،

اور غلبہ کے ہیں اور اس بناء پر یزید و ولید متوکل و ہارون رشید ایسے ظالم و جابر سلطان بھی خداوند عالم کی طرف سے امام مجعول ہیں تو خداوند عالم کا وعدہ کہ لاینال عہدی الظالمین کہاں گیا؟

کیا مستفسر کے نزدیک خدا بھی وعدہ خلاف دغا باز کذاب ہے، نعوذ باللہ من ذالک۔

نصِّ خدا اور فعلِ رسُول

صہ۸ ۵ امامت کا مدار جعل الٰہی پر ہے رسُول کے قول یا فعل کو اعطاء امامت و خلافت میں کوئی دخل نہیں ورنہ جناب ابراہیم علیہ السلام اپنی ذریت کے لیے استدعائے امامت نہ کرتے پس اثنا عشری امامت کے باب میں نص رسول کے ضروری جاننے کا مفاد کیا ہے۔

صہ۹ جب اثنا عشری امامت کے لیے خداوند عالم کی نہ فعلی شہادت ہے نہ قولی تو حضرت رسُول کی فعلی شہادت کے مختلف افسانے بنانے سے کیا حاصل"

ان دونوں عبارتوں میں ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالنبی میں کمزوری کی جھلک پوری طرح موجود ہے مستفسر کا خیال ہے کہ رسُول اپنے ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کے تابع ہو کر بات کرتے ہیں اور اُن کا طرز عمل مثل معمولی لوگوں کے جذبات کے تحت میں ہوتا ہے، ان کو یہ معلوم نہیں کہ پیغمبر

کی زبان، زبان وحی اور ترجمان خدا ہوتی ہے اور اُس کا ہر فعل باری تعالیٰ کے منشاء کا تابع ہوا کرتا ہے،

معلوم نہیں مستفسر نے جعل آلٰہی اور خدا کے نص قولی کے معلوم کرنے کا کون سا ذریعہ قرار دے لیا ہے؟ کیا وہ براہ راست کشف والہام کے ذریعہ سے خداوند عالم کی نص کو معلوم کرنے کے آرزومند ہیں؟ درحقیقت امامت کا مدار جعل آلٰہی پر ہے لیکن جعل آلٰہی کے معلوم کرنے کا ذریعہ رسُول کا قول یا اُن کا عمل ہے، مرادات آلہیہ کا ظہور نبی کی زبان سے قرآن کی صورت میں ہو یا غیر قرآن بہرصورت واجب الاتباع ہے، اور اسی لئے نص خدا اور نص رسُول دونوں کا اعتبار کیا گیا ہے نص خُدا سے مُراد قرآن اور نص رسُول سے مراد حدیث نبوی ہے۔

انبیاء ایسے معاملات کو صرف اپنے ارادہ واختیار سے انجام نہیں دیا کرتے تھے ابراہیم کا اپنی ذریت کے لیے استدعائے امامت کرنا خود اُس کی دلیل ہے۔ دراین صورت اگر پیغمبر کسی کے متعلق امامت وخلافت کا اعلان کر دے تو معلوم ہوگا کہ وہی خدا کی جانب سے منصب عظیم کے لیے مقرر ہوا ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ نے قرآن مجید میں (وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ) فرما کر رسالتمآبؐ کے ہر قول کو مرضی آلٰہی کا آئینہ بنا دیا ہے۔

اور مارمیت اذ رمیت، ولکن اللہ رمیٰ کہہ کر اُن کے فعل کو اپنی طرف منسوب
کر دیا ہے۔

کاش اگر مستفسر کو قرآنی نصوص پر نظر ڈالنے کا موقع نہ تھا تو وہ قادیان
کے امام اور مسیح موعود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی کے تصریحات پر
ایک نگاہ ڈال لیتے۔

ملاحظہ ہو کتاب "التبلیغ" مطبوعہ مطبع کواپریٹو سٹیم پریس لاہور باہتمام
جماعت احمدیہ نمبر صفحہ طبع اوّل ۱۰۴

الا یعلمون ان الذین یرسلون من
لدن ربھم لا یحتاجون الی بیعۃ
احد وھم من ربھم یتعلمون وکل علم
منہ یاخذون بہ یبصرون وبہ
یسمعون وبہ ینطقون یسکن
فیھم روح اللہ فھم بروحہ
یتکلمون وبہ ینورون کل من سلم
نظم فطرتہ وبہ یفیضون وبہ
یطلعون علی کنوز العلم ویقیمون
حجۃ اللہ علی کل من لج بانکار

کیا ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ وہ لوگ جو
اپنے خدا کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں کسی
کی بیعت کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ خدا
سے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ہر علم کو اُسی
سے اخذ کرتے ہیں خدائی علم کے ذریعہ سے
دیکھتے اور اسی کے ذریعہ سنتے اور اسی کے ذریعہ سے
بات کرتے ہیں اور خدا کی رُوح ان کے
اندر ساکن ہو جاتی ہے پھر تو وہ اسی کی رُوح
کے ذریعہ کلام کرتے ہیں اور اسی کے واسطہ
سے ہر اس شخص کو جس کی طینت خوب ہے

الحق وجحودہ ومن اللہ ینصرون
یودع اللہ صدورھم مصادق
القرآن ویظھرھم نوادر وقائع
الزمان ویعطیھم شیئا مالا یعطی
غیرھم وھم من غیرھم یمتازون

روشنی بخشنے اور اُسی کے سبب سے فیض
پہنچاتے اور اُسی کے واسطہ سے علم کے
خزانوں پر اطلاع حاصل کرتے اور خدا کی
حجت کو ہر اُس شخص پر جو حق کے انکار
میں پورا زور صرف کرے تمام کرتے ہیں

اور خدا کی طرف سے اُن کی مدد ہوتی ہے خدا ان کے سینوں میں قرآنی معارف کو ودیعت کر دیتا اور اُن کو زمانے کے انوکھے واقعات پر اطلاع دیتا ان کو ایسی شے عطا کرتا ہے جو اُن کے غیر کو نہیں ملی اور اسی کے سبب سے وہ اپنے غیر پر امتیاز حاصل کرتے ہیں ۔"

اس صورت میں رسول کے قول یا فعل کو مرضی الٰہی سے علیحدہ فرض کرنا مستفسر کے لیے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔"

قرآن سے نص رسول کا اعتبار

"امامت کا مدار جعل الٰہی پر ہے پھر اس باب میں نص رسول کے ضروری جاننے کا مفاد کیا ہے" اس کے جواب کی ذمہ داری قرآن پر ہے کیونکہ اس میں صریحی طور سے ارشاد ہوتا ہے۔

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی

کسی مومن اور مومنہ کے لیے جبکہ

اللہ ورسولہ امراان یکون لھم الخیرۃ من امرھم سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔	خدا اور اُس کا رسول کسی بارے میں فیصلہ کردیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے معاملہ میں اپنے اختیار سے کام لیں پاک، ہے

خُدا اور بلند ہے اس بات سے کہ اس کا کوئی ساجھی اور شریک ہو۔"

دیکھو قرآن نے نص خدا کے ساتھ نص رسُول کا اعتبار کیا ہے۔ اس میں ہمارے اختیار کو کوئی دخل نہیں۔

احادیث نبویّہ کی توہین

اس موقع پر مستفسر نے بڑی جرأت سے کام لیا ہے، وہ تمام احادیث نبویہ کو قصہ و افسانہ جات کا مجموعہ فرض کرکے درجہ اعتبار سے ساقط قرار دینا چاہتے ہیں۔

ملاحظہ ہو صفحہ ۸ "شیعہ قرآنی آیتوں کو فسانوں کے ضمیمہ جوڑ کر اثنا عشری امامت کے لیے نص بنا لینا ضروری جانتے ہیں۔"

ص۹ "حضرت رسول کی فعلی شہادت، کے مختلف افسانے بنانے سے کیا حاصل کیا ان فسانہ طرازیوں سے یہ صداقت حقہ تبدیل ہو جائیگی الخ۔"

ص۱۰ " اثنا عشری، امامت کو ایمانیات میں داخل کرنے کے لیے فسانوں کے ضمیمے مہیا کرنے کے ساتھ ہی نئے لغت ایجاد کرنے، کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔"

رہا غدیری فسانہ سو وہ منطوق آیت تو ہے نہیں لہٰذا اُس کو اثنا عشری امامت کی نص وہی لوگ مانیں گے جو قصے کہانیوں کو نص خدا سمجھتے ہیں۔"

صد۲ "کیا شیعہ انھیں افسانوں کو کلام الٰہی سمجھتے ہیں جن کو اثنا عشری امامت کا ماخذ بنا رکھا ہے کیا شیعی ایمان بالکتاب کے معنی یہی ہیں کہ قرآنی آیتوں میں کہانیوں کے پیوند لگا کر ایسوں کی امامت کا اصول ایمان میں داخل ہونا ضروری بنا لیا جائے جن کا کچھ اشارہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے۔"

صد۲ "شاعرانہ تخیل آفرینیوں اور فسانوں کی رنگ آمیزیوں سے اگر تمام فرقان مجید کو اثنا عشری امامت کا تہنیت نامہ بنا لیا جاتے فلا مانع لہ۔"

مستفسر صاحب قصص اور افسانوں کی لفظ لکھ کر احادیث کی وقعت کو کم کرنا چاہتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی قصہ یا افسانہ گو وہ کتنا ہی صحیح اور متواتر کیوں نہ ہو ماننے پر تیار نہیں۔

اُن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن مجید کے سات ابواب میں سے ایک مستقل باب قصص کا ہے اور اُسکے سوروں میں سورۂ قصص مشہور و معروف ہے۔

احادیث کو قصص و حکایات میں داخل کر کے اُنکی وقعت کو گھٹانا سوءِ تدبّر کی دلیل ہے، باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فاقصص القصص علیہم لعلھم یتفکرون — اے رسول ان کے سامنے قصہ حکایات بیان کرو شاید ان کو خُدا کی یاد آئے۔

اور خود اپنی طرف نسبت دیتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:

نحن نقص علیک احسن القصص — ہم تمھارے سامنے بہترین قصہ و حکایات بیان کرتے ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

منھم من قصصنا علیک ومنھم لم نقصص علیک — ان انبیاء میں سے کچھ ایسے ہیں جن کا قصہ ہم نے تم سے بیان کیا ہے اور بعض ایسے ہیں جن کا قصہ بیان نہیں کیا۔"

اخبار متواترہ سے جو واقعات وحقائق ثابت ہو چکے ہیں ان کا صرف افسانہ کہہ کر انکار کرنا عاجزی اور واماندگی کی علامت ہے۔

سلف صالحین اور صدر اسلام سے اس وقت تک کے صحابہ وتابعین، تبع تابعین، علمائے فقہ ورجال، ائمہ حدیث وتفسیر، حافظ وجامعین سنن وصحاح کیا سب قصہ گو اور افسانہ نویس تھے اور جبکہ اُنکے نقل کئے ہوئے اخبار واحادیث کسی وقعت کی نظر سے دیکھنے کے مستحق نہیں تو اُن کا ذاتی آراء وخیالات کے تحت میں کسی کی خلافت پر اجماع کب قابل قبول ہو سکتا ہے۔

احادیث کے متعلق مرزا صاحب کا خیال

احادیث صحیحہ کے انکار اور اپنے منشاء کے خلاف اخبار کو پس پشت ڈال لینے

کی بنیاد علمی حیثیت سے اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے قرار دے دی تھی لیکن خود اپنی تصریح کے مطابق وہ احادیث کو حقائق اسلام کا خزانہ دار اور معارف حقہ کا سرچشمہ سمجھتے ہیں اور قرآن کے خلاف نہ ہونے کی شرط کے ساتھ وہ احادیث کو سر آنکھوں پر رکھنے کے لیے تیار ہیں اگرچہ اُن کا عمل قول کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔

وہ اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ " صفحہ ۳۳ میں رقمطراز ہیں:"

انا لا ننظر الی الاحادیث بنظر الاستخفاف والتوہین بل نحن نشکر ائمۃ المحدثین ونحمدہم علی سعیہم ولا شك ان للاحادیث شانا عظیما وھی حاملۃ لتواریخ الاسلام ولاکثر مسائل الدین وجزئیاتہ ونعظمہا ونعزہا ونقبلہا بالراس والعین ولکنا لا نقدمہا علی کتاب اللہ الامام المہیمن واذا تخالف الحدیث والفرقان فی امر من القصص فنشھد الثقلین

ہم احادیث کو استحقار و توہین کی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں بلکہ ائمہ محدثین کا اُن کے مساعی پر شکریہ ادا کرتے اور ان کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ احادیث کا بڑا مرتبہ ہے اور وہ تواریخ اور بہت سے مسائل و جزئیات دین کی حامل ہیں اور ہم ان کی تعظیم اور اعزاز کرتے ہیں اور ان کو بسر و چشم قبول کرتے ہیں لیکن بیشک ہم ان کو کتاب خدا پر مقدم نہیں کرتے اور جب حدیث و قرآن میں کسی قصہ کی بابت اختلاف ہو تو ہم تمام جن و انس کو گواہ کرتے ہیں کہ

انا مع القرآن، ولا نبالی طعن
الطاعنین ونعلم ان الخیر کلہ
والسلامۃ کلہا فی جعل القرآن
معیار المثل ہذہ الاخبار
فالقانون الصحیح العاصم من
الخطأ ان نعرض کل قصۃ علی
القرآن فان کان ذکرہا فی القرآن
وذکر امرًا یشابہہا نقبل
ونؤمن بہ ونعتقد علیہ وان لم
یوجد شبیہہ فی القرآن لا فی ہذہ
الامۃ ولا فی امم اخری بل یوجد
فیہ شیئ یعارضہ فمن الواجب
ان لا یقبل ہذہ القصص الا
فی ذی التاویل۔

ہم قرآن کے ساتھ ہیں اور طعنہ زنی کرنے
والوں کے طعن کی کوئی پروا نہیں کرتے
اور یقین رکھتے ہیں کہ خیر و سلامتی پوری
اسی میں ہے کہ قرآن کو اُن اخبار کا معیار
قرار دیں لہٰذا صحیح اور غلطی سے محفوظ
رکھنے والا قانون یہی ہے کہ ہم ہر قصہ
کو قرآن کے سامنے پیش کریں، اگر اُس کا
ذکر قرآن میں ہو یا کسی ایسے امر کا ذکر
جو اس کے مشابہ اور ہم صورت ہو تو اس کو
قبول کر لیا جائے اور اس پر ایمان و اعتقاد
رکھا جائے اور اس کی شبیہہ قرآن میں
دستیاب نہ ہو نہ اس امت کے اندر
اور نہ پچھلی امتوں میں بلکہ اس میں کوئی
ایسی چیز پائی جائے جو اُس کے معارض
و مخالف ہے تو ضروری یہ امر ہے کہ اُن قصوں کو تسلیم نہ کیا جائے لیکن تاویل و توجیہ
کے لباس میں۔"

مستفسر صاحب کو اس عبارت سے سبق لینا چاہئے۔ اس سے چند باتیں مستفاد

ہوتی ہیں۔

(۱) احادیث تحقیر و توہین سے دیکھنے کے مستحق نہیں بلکہ سر آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہیں۔

(۲) اِن احادیث میں اسلام کے مستند تاریخی واقعات اور مسائل و احکام دینیہ محفوظ ہیں، (صرف افسانہ جات اور حکایات کا مجموعہ نہیں)

(۳) حدیث اور قرآن میں جب مقابلہ ہو تو قرآن مقدم ہے۔

(۴) خبر کی صحت کا معیار یہ ہے کہ جس امر کو وہ بتلاتی ہو خود وہ یا اس کے مثل و نظیر موجودہ امت میں ہو یا امم سابقہ میں قرآن مجید کے اندر مذکور ہو۔

(۵) اگر حدیث سے جو امر مستفاد ہے اُس کی نظیر کسی طرح قرآن میں مذکور نہیں بلکہ اُس کے خلاف قرآن کے اندر ہے تو پھر بھی حدیث کو غلط کہکر رد نہیں کر دیا جائیگا، بلکہ اُسکی توجیہ و تاویل کی جاتے گی۔ہم کو اس معیار کے صحت و سقم سے کوئی کام نہیں لیکن صرف اتنا چاہتے ہیں کہ امامت اثنا عشر کے احادیث صحیحہ کو اس معیار پر جانچ کر مستفسر کو دکھلا دیں کہ یہ احادیث صرف تخیلات و افسانہ جات نہیں ہیں۔

امامت آئمہ اثنا عشر کے قرآنی نظائر

پہلی نظیر

ولقد اخذ اللہ میثاق ۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے

بنی اسرائیل و بعثنا منهم اثنی عشر نقیبا (مائدہ پ۶)	عہد و پیمان لیا اور اُن میں بارہ[12] نقیبوں کو مقرر کیا۔"

امت سابقہ یعنی بنی اسرائیل میں ہدایت کے لیے جناب باری کی طرف سے بارہ نقیب مقرر کئے گئے تھے جن کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد و پیمان لیا گیا تھا امت مرحومہ کو بہت کچھ مشابہت بنی اسرائیل سے حاصل تھی جس کو حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح فرمایا کہ لتتبعن بنی اسرائیل حذو القذۃ بالقذۃ حتی انھم لو دخلوا فی جحر ضب لدخلتموہ جس طرح تمام حالات میں اس امت کو بنی اسرائیل کے ساتھ مشابہت رہی اُسی طرح خلافت و امامت کے باب میں بھی مطابقت کا لحاظ رکھا گیا اور جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود تصریح کے ساتھ اس نکتہ کو بیان فرمایا۔"

عن الشعبی عن مسروق قال بینا نحن عند ابن مسعود نعرض مصاحفنا علیہ اذ قال لہ فتی ھل عھد الیکم نبیکم کم یکون من بعدہ خلیفۃ قال انک لحدیث السن وان ھذا لشیئ ما سالنی	مسروق کی زبانی نقل ہے کہ ایک روز ہم ابن مسعود کے پاس بیٹھے ہوئے اپنے قرآنوں کو پیش کر کے تصحیح کر رہے تھے کہ ایک مرتبہ ایک جوان نے ابن مسعود سے پوچھا آیا تمھارے نبی نے کسی قرارداد کے ذریعہ سے بتلایا ہے کہ اُن کے بعد

عنہ احد قبلك ثم عهد الينا نبينا صلى الله عليه وسلم انہ يكون بعده اثنا عشر خليفۃ بعدد نقباء بنی اسرائيل (مودة القربیٰ للسيد علی الهمدانی وينابيع المودة،) (طبع اسلامبول صد ۴۴۵)

کتنے خلیفہ ہونگے؟ ابن مسعود نے کہا کہ تم تو کمسن ہو، اور یہ سوال ایسا ہے کہ تمھارے قبل کسی نے مجھ سے اس کو نہیں پوچھا تھا، ہاں بیشک ہمارے رسول نے ہم سے یہ عہد وپیمان قرار دیا ہے کہ آپ کے بعد نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے موافق بارہ خلیفہ ہوں گے۔

اس قسم کی روایتیں جنمیں خلفائے اثنا عشر کا تذکرہ ہے صحاح و مسانید میں کثرت کے ساتھ ہیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، ترمذی حمیدی وغیرہ میں متعدد الفاظ کے ساتھ اس کو نقل کیا گیا ہے۔

لایزال الدين قائما حتی تقوم الساعة ويكون عليهم اثنا عشر خليفة كلهم من قريش (صحیح مسلم)

ہمیشہ دین قائم رہیگا یہاں تک کہ قیامت آئے اور تمام لوگوں کے رئیس بارہ ہونگے جو سب قریش سے ہونگے۔

دین کے قیامت تک قائم رہنے کی تمہید کے ساتھ افراد بشر میں بارہ خلفاء ہونے کی خبر دینا صاف طور سے تبلاتا ہے کہ وفات رسول سے روز قیامت

یمک کی مجموعی مقدار کہ جس میں دین کا قیام و بقاء ہے پورے بارہ خلفاء کی خلافت پر منقسم ہے خصوصاً جب اُس کے ساتھ ضمیمہ ملایا جاتا ہے سنن ابی داؤد کی روایت کا کہ

لایزال ھذا الدین عزیزا الی اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش — ہمیشہ یہ دین عزت دار رہیگا جبتک کہ بارہ خلفاء کا سلسلہ باقی ہو جو سب قریش سے ہیں ؟

اور صحیح بخاری اور مسلم کی دوسری حدیث :-

لایزال امر الناس ماضیا ما ولیھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش — لوگوں کا دین اُس وقت تک جاری و نافذ رہیگا کہ جب تک بارہ خلفاء اُن کے والی ہیں کہ جو سب قریش سے ہونگے

اور تیسری روایت -

ان ھذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش — یہ امر (دین) منقضی نہیں ہو سکتا جب تک کہ بارہ خلفاء گذر نہ جائیں - جو سب کے سب قریش سے ہیں -

ان اخبار سے صاف ظاہر ہے کہ دین کا قیام و بقاء اِن خلفاء کے دم تک ہے اور پہلی حدیث میں تصریح ہے کہ دین کا قیام و بقاء روز قیامت تک ہے اس سے صریحی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان بارہ خلفاء کو وفات رسولؐ سے لے کر

قیامت تک کی مجموعی مدت میں موجود رہنا چاہیئے، تاج وتخت کے مالک ظاہری خلفاء کا حساب کیا جائے تو شروع سے لے کر اس وقت تک کی مجموعی تعداد کی درجنوں تک پہنچی ہے اور اب تو بالکل۔

"آن قدح بشکست وآن ساقی نماند"

کے مطابق وہ سلسلہ ہی ختم ہو گیا اگر رسولؐ کے کلام میں سچائی کا جوہر ہونا ضروری سمجھتے ہو تو تم کو یہ اخبار ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی خلافت حقہ کے لئے نص صریح نظر آئیں گے۔"

اور چونکہ ائمہ اثنا عشر کی امامت و خلافت کی نظیر قرآن مجید کے اندر نقبائے بنی اسرائیل کی صورت میں موجود ہے لہٰذا جناب مرزا صاحب قادیانی کے معیار کے مطابق تم کو ان اخبار کے سامنے تسلیم خم کرنا ضروری ہے۔

دوسری نظیر ولقد اتینا موسیٰ الکتاب وجعلنا معہ اخاہ ھرون وزیرا (فرقان پ ۱۹)

ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو وزیر قرار دیا۔

قال رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی ھرون اخی

(موسیٰ نے) کہا کہ بار آلہا میرے سینہ کو کشادہ فرما اور میرے معاملہ کو آسان اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے کہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں اور میرے لیے میرے کنبہ میں سے وزیر قرار دے میرے بھائی ہارون کو

اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری — اُسکے ذریعہ سے میری پشت مضبوط

کے نسبحك کثیرا ونذکورك کثیرا — کردے اور میرے کام میں اُسکو میرا

انك کنت بنا بصیرا قال قد — شریک بنا تاکہ ہم دونو کثرت سے تیری

اجبت سؤلك یاموسیٰ (طہٰ پ۱۶) — تسبیح کریں اور تیری یاد کریں تو تو ہمیشہ

سے ہماری حالت کا نگران رہا ہے خدانے فرمایا اے موسیٰ میں نے تمھاری خواہش کو قبول کیا۔

اِن آیات کی مطابقت سے جب انت منی بمنزلۃ ھٰرون من موسیٰ کی متواتر و متظافر حدیث کو دیکھا جاتا ہے تو علی بن ابی طالبؑ کی وزارت و وصایت مثل آفتاب کے روشن نظر آتی ہے اور چونکہ اُس کی نظیر قرآن مجید میں موجود ہے تو مرزا صاحب کو بھی اس حدیث شریف کو سر آنکھوں ہی پر رکھنا پڑے گا۔

تیسری نظیر ولقد ارسلنا نوحًا — ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور

وابراھیم وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ — اُن کی ذریت میں نبوت و کتاب کو

والکتاب (حدید پ ۲۷) — قرار دیا۔

رسالتمآبؐ کے لیے رسالت و نبوت و امامت تینوں درجہ حاصل تھے لیکن نبوت و رسالت حضرت کی ذات پر ختم ہونے والی تھی اور (ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولٰکن) رسول اللہ و خاتم النبیین) کی مہر نے اُس کی فہرست کو ختم کر دیا تھا مگر امامت

کے بقاء و دوام کا کوئی مانع نہ تھا، باری تعالیٰ نے امامت کو وصایت و خلافت کی صورت میں رسول کی ذریت کے لیے قرار دیا ائمہ اثنا عشر کے لیے امامت و وصایت کے تمام احادیث مذکورۂ بالا آیت سے کمال مطابقت رکھتے ہیں۔

مذکورہ شواہد و نظائر کو دیکھتے ہوئے مرزا صاحب کے صریحی معیار کے مطابق مستفسر صاحب کو امامت امیر المومنین و ائمہ معصومین کے احادیث کو قصہ و افسانہ سمجھنے کا کوئی حق نہیں ہے،

امامت کے متعلق قرآنی ادلہ

پہلی آیت واذا ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین (بقرہ پ ۱)

جبکہ ابراہیم کا اُنکے پروردگار نے کچھ باتوں کے ساتھ امتحان لیا اور اُنھوں نے اُنکو پُورا کر دیا تو خدا نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام و پیشوا بناتا ہوں اُنھوں نے کہا اور میری ذریت میں سے ارشاد ہوا کہ ہاں مگر میرا عہدہ ظالمین تک نہیں پہنچے گا۔

قرآنی محاورہ میں ظالم کا اطلاق عاصی پر ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے نفس کو مستحق عقوبت بنا کر اُس پر ظلم کرتا ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات ذیل

ومن یتعد حدود اللہ فاولئک

اور جو اللہ کی معین کی ہوئی حدوں سے

ھم الظالمون (بقرہ) — تجاوز کریں وہی لوگ، تو ظالم ہیں۔

ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ (طلاق) — اور جس شخص نے اللہ کی معین کی ہوئی حدوں سے تجاوز کیا تو اُس نے یقیناً اپنے نفس پر ظلم کیا۔

لا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ (بقرہ) — اور ان (مطلقہ عورتوں) کو تکلیف پہنچانے کے لیے نہ روکو تاکہ پھر اُن پر زیادتی کرنے لگو اور جو ایسا کرے گا تو وہ یقیناً اپنے ہی نفس پر ظلم کرے گا۔

فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء بما کانوا یفسقون (بقرہ) — تو جو بات اُن سے کہی گئی تھی اُسے اُن ظالموں نے بدل کر دوسری بات کہنی شروع کر دی تب ہم نے اُن لوگوں پر جنھوں نے ظلم کیا تھا اُن کی بدکاری کی وجہ سے آسمانی بلا نازل کر دی۔

دخل جنتہ وھو ظالم لنفسہ (کہف) — اور وہ اپنے باغ میں جا پہنچا حالانکہ اپنے کفر کی وجہ سے وہ اپنے نفس پر ظلم کر رہا تھا۔

ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ — پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جنھیں اپنے بندوں میں سے منتخب

ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ (فاطر)

کیا کیونکہ اُنہیں سے کچھ تو اپنے نفسوں پر ستم کرتے ہیں اور کچھ اُن میں سے میانہ رو ہیں اور کچھ اُن میں باذن خدا نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

فمن افتری علی اللہ الکذب بعد ذلك فاولئك ھم الظالمون (آل عمران)

پھر اس کے بعد (بھی) جو شخص اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے تو سمجھ لو کہ یہی لوگ ظالم ہیں۔

لیس لك من الامر شیئ او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون (آل عمران)

(اے رسول) تمھارا اس امر میں کچھ بس نہیں چاہے اللہ ان کی توبہ قبول کرے چاہے اُن پر عذاب کرے کیونکہ وہ ظالم ضرور ہیں۔

ومن اظلم ممّن افتری علی اللہ کذبا او کذّب بآیاتہ انہ لایفلح الظالمون (انعام)

اور کون اس شخص سے زیادہ ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے یا اُسکی نشانیوں کو جھٹلائے یاد رکھو کہ ظالم نجات پانے والے نہیں ہیں۔

فلما نسوا ما ذکّروا بہ انجینا الذین ینھون عن السوء واخذنا الذین ظلموا العذاب بئیس بما

پھر جب وہ لوگ اُس نصیحت کو بھول گئے جو اُنھیں کی گئی تھی (تو) ہم نے اُن لوگوں کو تب بچا دیا جو لوگوں کو بُری باتوں سے روکتے تھے

کانوا یفسقون (اعراف) اور وہ لوگ جو ظالم تھے اُن کو اُنکی بدچلنی کی وجہ سے بڑے عذاب میں گرفتار کر لیا۔

قال اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الی ربہ فیعذبہ عذابًا نکرًا واما من امن وعمل صالحا فلہ جزاء الحسنی وسنقول لہ من امرنا یسرا (کہف) ذوالقرنین نے کہا کہ جو شخص ظلم کرے گا تو ہم اُس کو سزا دیں گے پھر اپنے پروردگار کے سامنے پلٹایا جائیگا اور وہ اُسے بہت بُری سزا دیگا اور جو شخص ایمان لے آئیگا اور اچھے کام کرے گا تو اُس کیلئے اچھے سے اچھا بدلہ ہے اور ہم بہت جلد اُسے اپنے کاموں میں سے آسان کام کرنے کو کہیں گے۔

معلوم ہوا کہ جو شخص معصیت خدا بجالائے اس کا ظالمین کی صف میں داخل ہونا لازمی ہے اور جو شخص کسی وقت ظالم ہو گیا اس کو بنص الٰہی امامت کسی وقت پہنچ نہیں سکتی، اس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ امامت اُن اشخاص کیلئے مخصوص ہے جو اپنی حیات کے تمام اجزا میں معصیت خُدا سے علیحدہ رہیں اور ایسی ہی ہستیوں کو معصوم کہا جاتا ہے اور چونکہ عصمت وطہارت کا مرتبہ بنص خدا و رسول بعد رسالت مآبؐ ہمارے ائمہ معصومین کے لئے ثابت ہے اور اُن کے غیر سے باجماع امت منتفی لہٰذا امامت اُنہی کا مخصوص حق ہو سکتا ہے۔

اس تحریر سے مستفسر کے اس اعتراض کا جواب ہو جاتا ہے کہ "اس

آیت میں جناب نے جو من ذریتی کو اثنا عشری امامت کی نص بنائی ہے تو کیا ظالمین کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد ذریت ابراہیم کا انحصار صرف انھیں دوازدہ میں رہ جاتا ہے اور ان بارہ کے سوا تمام ذریت ابراہیم ظالمین میں داخل ہے؟" اس کے علاوہ دیگر اعتراضات مستفسر کے جو اس آیت کے متعلق ہیں اُن کا جواب مفہوم امامت کی تشریح کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔

دوسری آیت یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک، وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔	اے رسول تبلیغ کرو اُس چیز کی جو تُم پر نازل ہوئی ہے اور اگر ایسا نہ کیا تو اُس کی رسالت کو پہنچایا ہی نہیں۔

ابن حاتم، ابوبکر نقاش، ثعلبی، ابن عساکر، ابن مردویہ، صاحب فتح البیان، امام رازی، نیشاپوری، مورخ حبیب السیر، حافظ ابونعیم، عینی شارح صحیح بخاری، امام واحدی، حافظ سیوطی، نظام اعرج، برہان الدین وغیرہ کے تصریحات کے مطابق یہ آیت امامت امیرالمومنینؑ کے متعلق وارد ہوئی ہے۔

آیت صاف بتلا رہی ہے کہ اگر امامت کی تبلیغ نہ ہوئی تو دین بالکل بیکار ہے گویا کوئی حکم پہنچایا ہی نہیں گیا اور اصول دین کے معنی یہی ہیں کہ ایسا عقیدہ ہو جس کے نہ ہونے پر تمام دینی احکام بیکار ہو جائیں، اس موقع پر مستفسر کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا ہے کہ وہ کیا جواب دیں

ما انزل کے کون سے معنی ایسے تراشیں کہ وہ امامت امیر المومنینؑ کی دلیل باقی نہ رہے لہٰذا گھبرا کر کہا ہے کہ " اس آیت میں رسول اکرم صلعم کو ما انزل کی تبلیغ کے لئے مامور کیا گیا ہے جو رسالت کی اصلی غایت ہے اور ما انزلِ الی الرسول صرف کتاب حمید اور فرقانِ مجید ہے "۔

اس عجیب و غریب لطیفہ کی داد دئے بغیر دل نہیں مانتا، رسولؐ ابتدائے زمان وحی سے لیکر آخر تک قرآن کی تبلیغ کرتے رہے اور قرآن کی ایک ایک آیت کو اُمت تک پہنچایا پھر جبکہ رسولؐ کی عمر آخری حدود تک پہنچے تو حجۃ الوداع سے فارغ ہو چکنے کے بعد اب یہ تہدید آمیز خطاب آئے کہ ہاں رسولؐ قرآن کی تبلیغ کرو اور اگر قرآن کی تبلیغ نہ کی تو تم نے کچھ کیا ہی نہیں، کیا رسولؐ نے اب تک قرآن کی تبلیغ نہیں کی تھی اور کیا قرآن کوئی ایسی چیز تھا کہ ایک وقت میں اس کی تبلیغ کا حکم اس تہدید آمیز لہجہ میں دینا پڑا اور پھر لطف تو اس فقرہ میں ہے کہ واللہ یعصمك من الناس کیا رسالت مآبؐ کو قرآن کی تبلیغ میں لوگوں کا خوف تھا اور تبلیغ سے لرز لرز کر رہ جاتے تھے، اگر قرآن کے معنی مستفسری صاحب کے مذاق کے مطابق بیان کئے جائیں تو اُس کا اعجاز تو تشریف لے گیا، وہ ایک مہمل بے موقع غیر مربوط کلام کا مجموعہ ہو جائے گا،

دوسرا اعتراض مستفسر صاحب کا یہ ہے کہ یہ آیت بغیر قصہ و افسانہ جات کے ضمیمہ کے امامت امیرالمومنین علیہ السلام کو ثابت نہیں کر سکتی، اس کا جواب سابق میں گذر چکا ہے اخبار صحیحہ اور احادیث معتبرہ کو قصہ و حکایت کہہ کر پایۂ اعتبار سے ساقط کرنا اسلام کی کوئی اچھی خدمت نہیں ہے۔

تیسری آیت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔	آج میں نے تمھارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کیا اور تمھارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

امامت علیؑ کی تبلیغ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہے اس کو ابن مردویہ اور ابن عساکر اور خطیب اور ابن جریر طبری مورخ نے اور علامہ سیوطی نے درمنثور اور اتقان میں اور صاحب ترجمان القرآن اور صاحب ارجح المطالب اور دیلمی اور حافظ ابو نعیم اور ابن مغازلی اور امام صالحی اور دیگر مفسرین نے نقل کیا ہے جس کے بعد انکار کی گنجائش نہیں، جیسا کہ ہم سابق مضمون میں لکھ چکے ہیں امامت کے اعلان سے پہلے دین ناقص تھا یا کامل؟ اگر کہو کامل تو قرآن کی تکذیب ہے، کیونکہ خدا روز غدیر اکمال دین کی خبر دے رہا ہے اگر کہو کہ ناقص تھا تو معلوم ہوا کہ دین کا ایک جزو امامت ہے اور اسی سے اُس کا اصُول دین میں ہونا ثابت ہے اس آیت کے جواب میں مستفسر صاحب کو سوائے امس لفظی گرفت کے کچھ بن نہیں پڑا ہے کہ۔

"الواعظ" میں کئی بار جناب خود ہی تصریح فرما چکے ہیں کہ اثنا عشری امامت اصول مذہب تشیع ہے نہ اصول دین اسلام اور آیت ہذا دین اسلام کے متعلق ہے نہ مذہب تشیع کے متعلق پس اثنا عشری امامت جو منجملہ اصول تشیع ہے آیت ہذا سے کیونکر مدار ایمان بن گئی" لیکن اس کا تفصیلی بیان سابق میں گذر چکا ہے اصول دین اصول مذہب سے کوئی مغائر اور جداگانہ چیز نہیں ہیں بلکہ جن کو اصول مذہب کہا جاتا ہے وہ حقیقۃً اصول دین ہیں۔

مرزا صاحب قادیانی اور خلافت حقہ امیر المومنین کا اعتراف

کتاب التبلیغ صفحہ ۵۶ میں مرزا صاحب اپنے مکاشفات والہامات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :-

رایت فی منام اخر کانی صرت علیا ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ والناس تینازعونی فی خلافتی وکنت فیھم کالذی یضام و یمتھن ولیغشاہ ادراك الظنون وھو من المبرئین فنظر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی فکنت اخال نفسی انی منہ بمنزلۃ

میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ گویا میں علی ابن ابی طالب ہو گیا ہوں اور لوگ مجھ سے میری خلافت کو چھیننا چاہتے ہیں اور میں اُنکے درمیان میں مثل ایک مظلوم اور محقر شخص کے ہوں کہ جس پر طرح طرح کے گمان کئے جائیں اور وہ بالکل بری ہو اسوقت نبی نے میری طرف نظر ڈالی اور میں اپنے تئیں خیال

الابناء وهو من ابائي المکرمين نقال وهو متحنن يا علي دعهم وانصارهم وزراعتهم فعلمت في نفسي انه يوصيني بصرف الوجه الخ

کر رہا ہوں کہ حضرت کی اولاد کے بجائے ہوں اور حضرت میرے لئے بمنزلہ آباؑ کے ہیں، حضرتؐ نے مہربانی کے ساتھ فرمایا اے علی انکو، انکے مددگاروں کو اور اُن کی کھیتی باڑی کو چھوڑ دو،

اُس وقت میں نے اپنے دل میں یقین کیا کہ حضرت مجھ کو اُن لوگوں سے مُنہ پھیر لینے کا حکم دیتے ہیں"

اس عبارت سے امیر المومنینؑ کا استحقاق خلافت اور لوگوں کا حضرت سے اُس کو بجبر و ظلم چھیننا اور حضرت کا صرف رسالت مآبؐ کی وصیت پر عمل کر کے جدال و قتال سے ہاتھ روکنا صاف ظاہر ہے۔

میری باری آئی

ابھی تک مستفسر صاحب نے چودہ صفحہ میں جو گہر افشانی کی تھی وہ جناب مدیر الواعظ کے مقالہ سے تعلق رکھتی تھی اور الحمدللہ ہم نے سابقہ بیانات میں ثابت کر دیا کہ جتنے اعتراضات بھی کئے گئے وہ بے بنیاد اور کمزور پا در ہوا تھے، اب میرے مقالہ پر نظر توجہ والتفات کی نوبت آئی۔

مستفسر صاحب نے مجھ غریب پر بڑا احسان کیا ہے کہ بادل ناخواستہ چار ناچار جو کچھ بھی مَیں نے لکھا ہے اُس کو تسلیم کر لیا ہے،

طبعزاد کلیہ

مستفسر کو مجھ سے یہ شکایت ہے کہ مَیں نے اپنے دل سے سوال کی صورت میں یہ کلیہ تراشا ہے کہ کیا جس چیز پر قرآن میں ایمان کی ہدایت کی گئی ہو یا جس چیز کے کفر پر ملامت کی گئی ہو وہ اصول دین میں داخل ہے اور پھر خود مَیں نے اس کو اختراع کر کے چند آیتوں کی رُو سے نادرست ٹھہرایا ہے۔

لیکن مستفسر کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کلیہ ہمارا طبعزاد اور دل بخواہ نہ تھا بلکہ وہ اُنکے ہم خیال یا ہم مشرب وہم مذاق قادیانی مذہب کے ذمہ دار داعی و مبلغ مرزا حسام الدین صاحب کے اشتہار سے مستفاد تھا اور چونکہ اسی اشتہار کا جواب دیا جا رہا تھا لہٰذا اس کلیہ کے بطلان کو واضح کر دینا ضروری تھا اور یہی سبب ہے کہ سابق مشتہر صاحب کو باوجود پورے جوش و خروش کے پھر جواب کی جرأت نہ ہوئی آپ بھی ہمارے پر طاقت ادلہ کو دیکھکر اس کلیہ کے بطلان کو اس حد تک تسلیم کر چکے ہیں کہ روادار نہیں وہ آپ کے کسی ہم مذہب کی طرف منسوب کیا جائے۔ ملاحظہ ہو فاضل مشتہر صاحب اپنے اشتہار ۱۴ جنوری ۲۸ء میں رقم طراز ہیں۔

"قرآن کریم نہایت شد و مد سے صرف پانچ چیزوں کا نام لیکر اُس پر ایمان

لانے کی تاکید اکید کرتا ہے اور وہ پنجتن پاک یہ ہیں۔ توحید، رسالت کتب ملائکہ معاد اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی انہی پانچ چیزوں کو قرآن کریم نے بتایا ہے اور انہی پانچ باتوں پر آپ کا ایمان تا وفات رہا جس کو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے، فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا لیکن اس ایمان کے خلاف ایمان رکھنے والے کو خدائے تعالیٰ نے فقد ضل ضلالا بعیدا فرمایا ہے، اب اسکے علاوہ اگر کوئی اور چیزوں پر ایمان رکھے وہ سب کے سب بیکار و حبط ہونگے جیساکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین لیکن حضرات اثنا عشر صاحبان نص مبین بہ خلاف ایمان کو یوں تعلیم فرماتے ہیں توحید، عدل، نبوت، امامت، قیامت، نبی کریم صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم کی فعلی شہادت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسی کو مسلمان بنایا تو اس کو آپنے اسی ایمان کی تلقین فرمائی جس کو قرآن کریم نے ظاہر فرمایا ہے اور اس پر ایمان لانے والے کو بھی سخت ہدایت فرماتی کہ خبردار بجز نبیوں کے کسی غیر نبی پر ایمان نہ لانا۔"

اس عبارت سے چند باتیں ظاہر ہیں:۔

(۱) توحید رسالت، کتب، ملائکہ، معاد، یہ پانچ چیزیں شتہر کے نزدیک اصول دین ہیں کیونکہ ان پر ایمان کا حکم قرآن میں ہے۔ (معلوم ہوا کہ اصل دین کا معیار یہی ہے کہ قرآن میں اس پر ایمان کا حکم ہو۔)

(۲) قرآن نے انہی پانچ چیزوں کو تبلایا ہے اور اُن کے علاوہ کسی چیز پر ایمان کی ہدایت نہیں کی ہے۔

(۳) اِن پانچ چیزوں پر ایمان کے ساتھ کسی شے کا اگر اُن کے علاوہ ایمان رکھے تو اُسکے اعمال بیکار وحبط ہوں گے۔

(۴) کسی غیر نبی پر ایمان صحیح و جائز نہیں ہو سکتا،

(۵) نبی کریم نے جب کسی کو مسلمان بنایا تو آپ نے مذکورۂ بالا اشیاء کی ہدایت کی اور ایمان لانے والے کو سختی سے ہدایت کی کہ خبردار بجز نبیوں کے کسی غیر نبی پر ایمان نہ لانا،

ہم نے اشتہار کا جواب دیتے ہوئے اُمور مذکورہ کا جواب مندرجۂ ذیل عنادین سے دیا۔

(۱) اِن پانچ چیزوں کو اصولِ دین ماننا اس بناء پر کہ اُن کے ایمان کا حکم قرآن میں ہے غلط ہے، اصولِ دین کا معیار یہ نہیں کہ قرآن مجید میں جس شے کے ایمان کا حکم ہو وہ اصولِ دین میں داخل ہو، اس معیار کو باطل ثابت کرتے ہوئے ہم نے انیس ۱۹ آیتیں قرآن کی پیش کی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ قرآن میں بہت سے اشیاء پر ایمان کا حکم ہے جو عامۂ مسلمین کے نزدیک اصولِ دین سے خارج ہیں،

(۲) یہ درست نہیں کہ قرآن میں انہی پانچ چیزوں پر ایمان کی ہدایت ہے بلکہ متعدد آیات سے اِن کے علاوہ پانچ چیزوں پر اور ایمان کی ہدایت ہوئی ہے۔

(۱) غیب (۲) آیات آلہیہ یعنی معجزات و عجائب قدرت (۳) کلمات خدا (۴) عذاب خدا (۵) نعمات آلہیہ ہم نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر بعض اکابر مفسرین کی موافقت میں غیب کے معنی امام غائب کے مان لئے جائیں تو معترض کی محنت پر بالکل پانی پھر جائیگا اور امامت اصول دین میں سے ثابت ہو جائیگی۔ لیکن اس وقت ہم کہتے ہیں کہ اگر غائب کی یہ تفسیر تسلیم نہ کی جائے تب بھی اُس کے عمومی مفہوم کے تحت میں امامت امام غائب داخل ہے اور جس طرح تمام غائب حقائق دینیہ پر ایمان ضرور ہے اُسی طرح امامت امام کا اعتقاد لازم ہے اسی طرح انعمت علیہم نعمتی کی دلیل سے امام نعمت خدا ہے اور اُس پر ایمان قرآن کے رُو سے ضروری ہے۔"

(۳) قرآن میں یہ نہیں ہے کہ اگر اس سے زیادہ اعتقاد رکھے تو اُس کے اعمال حبط ہونگے بلکہ ان اشیاء میں سے کسی اعتقاد کو ترک کرے تو حبط اعمال کا سبب ہوگا۔ ہم نے مرزا صاحب قادیانی کے تصریحات سے ثابت کیا تھا کہ وہ مذکورۂ بالا اشیاء کے علاوہ بھی بعض عقائد پر ایمان رکھتے تھے تو معترض کے معیار پر اُن کے اعمال حبط ہوں گے۔"

(۴) غیر نبی پر ایمان کا عدم جواز کسی دلیل سے ثابت نہیں اور خود مرزا صاحب کے اقوال سے غیر نبی پر ایمان کا ضروری ہونا ثابت ہے۔

(۵) احادیث نبویہ سے ثابت کیا گیا تھا کہ حضرت نے کبھی کسی کو مسلمان بناتے

وقت مذکورۂ بالا اشیاء کی ہدایت نہیں کی اور نہ یہ ہدایت کی کہ خبردار بجز نبیوں کے کسی پر ایمان نہ لانا۔

اب دیکھئے کہ وہ معیار ہمارا طبعزاد تھا، یا آپکے ہم خیال مشتہر کے اقوال سے مستفاد؟ ہم کو مستفسر سے پوری ہمدردی ہے اور بلشبہ یہ معیار اس کا مستحق نہیں کہ وہ اُن کے یا اُن کے کسی ہم مذہب کے قلم سے نکلے لیکن کیا کیا جاتے لا یصلح العطار ما افسد الدھر۔

بہرحال اس معیار کو جانے دیجئے خود آپکا بیان کیا ہوا معیار کہ اصُول دین کے لئے یہ ضرور ہے کہ اُن پر صریحی طور پر ایمان کی ہدایت ہو بایں معنی کہ لفظ ایمان کا استناد اسکی طرف دے کر ایمان باللہ ایمان بالرسول کی طرح حکم دیا گیا ہو، یہ معیار بھی ہمارے گذشتہ بیان میں باطل ثابت کیا جاچکا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اس معیار کے مطابق توحید اصول دین سے خارج ہو جائیگی کیونکہ کہیں ایمان بالتوحید کی لفظ قرآن میں نہیں ہے اور اگر اس کو ایمان باللہ کے تحت میں داخل کیا جائے تو عدل بھی اُس کے ساتھ ساتھ ایمان باللہ کے تحت میں مندرج ہوگا اور امامت ایمان بما انزل علی النبی کے ذیل میں ہوگی، یقیناً آپ کے بعد کا آنے والا مشتہر آپکے اس معیار کو بھی ہمارا طبعزاد کلیۃً تبلاتے گا۔ اور اس کی صحت سے انکار کریگا ہم اس سے خوش ہیں آپ جو مطلب بھی غلط ثابت ہو جائے اس سے یہی کہکر دست کشی کیجئے کہ ہم نے ایسا نہیں کہا تھا، رفتہ رفتہ حق سے قریب ہو جائیگا اور انشاءاللہ

ایک وقت میں کہہ دیجئے گا "ہم نے کبھی نہیں کہا تھا کہ عدل و امامت اصول دین سے خارج ہے" اور یہی ہماری دلی آرزو ہے۔

ہمارا معیار تسلیم

کیا خُدا کو ظالمین سے محبت ہے مظلوموں سے عداوت ہے؟

خُدا کی عمارت کس طرح مسمار کی گئی

ہم نے اصول دین کا معیار یہ ثابت کیا تھا کہ "قرآن و حدیث سے جن جن عقائد کا یقین رکھنا ضروری معلوم ہو اُن پر نظر ڈالئے جن چیزوں پر احکام شرعیہ کا پہنچنا اور حقیقی طور سے اُن پر عمل پیرا ہونا موقوف ہو وہ اصول دین ہیں اور بقیہ اصول دین سے خارج" اس کلیہ سے مستفسر صاحب بہت خوش ہیں اور اس کو تسلیم کرتے ہیں اور عدل کے اس کلیہ کی رو سے اُصول دین میں داخل ہونے کا بھی بظاہر اُن کو اقبال ہے۔ کیونکہ اسکے متعلق اُنھوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا ہے۔

امامت کے متعلق ہم نے جو ادلہ پیش کئے تھے اُن کے متعلق بھی اُن کے پاس کوئی خصوصی ایراد نہیں ہے لیکن اُنکا صرف ایک بہت بڑا اعتراض ہے جس کی

رد سے وہ ان تمام قرآنی ادلہ، احادیث نبویہ سے کنارہ کشی کرنے پر مجبور ہیں، اُن کا خیال ہے کہ چونکہ ائمہ اثناعشر ہمیشہ دشمنوں کے ظلم و جور کا نشانہ رہے اور اُن کی امامت لوگوں نے تسلیم نہیں کی بلکہ ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں یہاں تک کہ خاتم السلسلہ (حضرت حجت) کو پردۂ غیبت میں پنہاں ہونا پڑا لہٰذا یہ امام نہیں ہو سکتے امام وہی تھے جن کے ہاتھ مظلوموں کے خون سے رنگین اور جن کے قید خانے بے جرموں سے مملو اور جنکے مکانوں کی دیواریں بخط سادات کے لہو سے گارا بنا کر تیار کی جاتی تھیں۔ یعنی خدا کو ظالمین سے محبت ہے کہ وہ لاینال عھدی الظالمین کے وعدہ کے بالکل برخلاف امامت کے منصب کے لیے اُنہی کو اختیار کر سکتا ہے اور مظلوموں سے اس کو بھی عداوت ہے کہ وہ اُن کو اس عہدہ پر قرار نہیں دے سکتا۔

چنانچہ مستفسر صاحب ص۹ پر رقمطراز ہیں "سیاق آیت نے انما ولیکم کا تاج اُن الذین امنوا کو عطا فرمایا ہے جو فان حزب اللہ ھم الغالبون کی خلعت سے ممتاز ہوئے یا اُن درماندگان وشت مصائب کو جنکی مغلوبیت و بے نوائی پر اب تک غم کے آنسو بہائے جا رہے ہیں۔" صلا کیا خداتعالےٰ قادر ذوالجلال کے اہتمام و انتظام کو ارباب تشیع ایسا ہی کنسج العنکبوت سمجھتے ہیں جو انسان ضعیف البنیاں کے ہاتھوں ہباءً منثوراً ہو جائے اور کیا شیعوں نے حفظ اسلام کے لیے جو بعد نبی عقلاً ضروری ہے ایسے ہی کو منجانب اللہ مامور مان لینا مدار ایمان بنا لیا

ہے جو رسول کے بعد مخالفین و معاندین پر نہ مثل رسول کے اپنا تسلط جما سکا اور نہ اسلام کے حق نما آئینہ کو چور چور کر دیئے جاتے سے بچا سکا اور کیا مدبر السموات والارض علیم و حکیم نے ریاست عامہ دینیہ و دنیویہ کا نظم و نسق ایسے کو تفویض کر دیا جسکے زیر سیادت اثنا عشری امامت و خلافت کا سلسلہ ایسا پامال کر دیا گیا کہ خاتم السلسلہ کو زاویہ خمول میں چھپ رہنے کے سوا کہیں مفر نہ مل سکا شیعوں کی اس حق کوشی کا مفاد امامت کی روپوشی کے سوا کیا ہوا، کیا دوازدہ آئمہ میں سے کوئی بھی سر برآرائے خلافت فی الارض ہو سکا ص۱۵ میں ہمارے مضمون کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے "غیب اور ما انزل کے معنی امامت ایجاد کر لینے سے اگر کام چل سکتا تو اثنا عشری امامت اس طرح غائب کیوں ہو جاتی کہ تا یوم معاد نوحہ خوانی اور سینہ زنی کی جائے، کیا خدائے قادر ذوالجلال کی بنائی ہوئی عمارت انسانی ہاتھ مسمار کر سکتا ہے۔"

ہم سابق میں لکھ چکے ہیں کہ امامت کسی سلطنت ہفت اقلیم اور حکومت جابرہ و قاہرہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ نبوت و رسالت کے مثل خدا کی جانب سے ایک مخصوص منصب ہے جسکی رُو سے تمام افراد بشر پر اُسکی اطاعت فرض و لازم ہو جاتی ہے۔

لوگوں کا اطاعت نہ کرنا اور امام کو گوشۂ انزوا و خمول میں چھوڑ دینا اس کے واجب الاتباع اور پیشوائے مطلق ہونے میں قادح نہیں جس طرح کسی نبی یا رسول کی تکذیب اور اُس پر ایمان لانے والوں کی قلت اس کی رسالت و امامت کے

بطلان کی دلیل نہیں،

انبیاء و رسل کے حالات دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ مظلوم و مقہور رہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

افکلما جاءکم رسول بما لا تھوی انفسکم استکبرتم ففریقا کذبتم و فریقا تقتلون (بقرہ پ ۱)

جب بھی تمھارے پاس کوئی رسول ایسے احکام لیکر آیا جو تمھاری نفسانی خواہشوں کے مطابق نہ تھے تو تم نے بعض کی تکذیب کی اور بعض کو قتل کر دیا۔

وان کذبوک فقد کذب رسل من قبلک جاؤوا بالبینات والزبر والکتاب المنیر (آل عمران پ ۴)

اگر یہ لوگ تمھاری تکذیب کریں (تو کوئی بات نہیں) تمھارے قبل بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی یہ کھلی کھلی آیتیں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔

نوح کو انکی قوم نے جھٹلایا (اعراف آیت ۵۹-۶۴ یونس آیت ۷۱-۷۳ ہود آیت ۲۵-۳۵ مومنون آیت ۲۳-۲۶ فرقان ۳۷ شعرا آیت ۱۰۵-۱۱۶ قرآمین ۳ نوح آیت ۱-۲۹) قوم نوح و عاد و ثمود اور اُن کے بعد والی قوموں نے جب پیغمبر اُن کے پاس معجزے لیکر آئے تو اُن پیغمبروں کے ہاتھوں کو اُلٹا اُن کے منہ پر مار دیا اور کہنے لگے کہ جو حکم تم لے کر آئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے (ابراہیم

آیت ۹) جب کوئی رسول آیا تو لوگوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا مجنون۔
(ذاریات آیت ۶۴)

اسی طرح ہود، صالح، لوط، ایوّب، شعیب، یونس کے واقعات سے صاف ظاہر ہے یحییٰ کا سر قلم ہوا، زکریا کو آرے سے چیرا گیا۔ جرجیس کو طرح طرح کی مصیبتیں پہنچا کر قتل کیا گیا۔ عیسیٰ کو سولی پر لٹکانے کا سامان کیا گیا یہ وہ واقعات ہیں جن سے اسلامی دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے اور مسیح کو بقول عیسائیوں اور قادیانیوں کے سخت ذلت و توہین کے ساتھ قتل کیا گیا۔

خود ہمارے رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہجرت سے قبل کتنی اذیتیں پہنچائی گئیں ما اوذی نبی قط کما اوذیت اسی خاتم الانبیاء ہستی کا کلام ہے پھر جب یہ درماندگانِ دشت مصائب ان تمام مصائب و مظالم کے برداشت کرنے کے بعد نبی و رسول ہو سکتے ہیں تو ائمہ معصومینؑ کے لئے دشمنوں کے مظالم کے باوجود امامت سے کون امر مانع ہے، رہ گیا یہ امر کہ یہ حضرات مخالفین و معاندین پر اپنا تسلط نہ جما سکے اور نہ اسلام کے حق نما آئینہ کو چور چور ہونے سے بچا سکے تو واضح ہونا چاہیے کہ ہدائی مبلغین کا کام لوگوں پر بجبر و قہر تسلط جمانا نہیں ہے اُن کا کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ دعوت الی الحق کریں عمل کرنا نہ کرنا امت کا کام ہے

وان تولوا فانما علیک البلاغ — اور اگر وہ رو گردانی کریں تو تمہارا فرض تو صرف تبلیغ ہی ہے

ومن تولی فما ارسلناك علیهم حفیظا۔ (نساء آیت ٨٠)

اور جس نے رُوگردانی کی تو ہم نے تم کو اُن پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

فان تولیتم فاعلموا انما علےٰ رسولنا البلاغ المبین (مائدہ آیت ٩٢)

پھر اگر تم نے رُوگردانی کی تو آگاہ ہو کہ ہمارے رسول پر تو صرف صاف صاف تبلیغ ہی فرض ہے۔

فان تولوا فانما علیك البلاغ المبین (نحل آیت ٨٣)

پھر اگر وہ رُوگردانی کریں تو تمھارا فرض تو صرف صاف صاف تبلیغ ہے۔

وما انت علیهم بجبار (ق آیت ٢٥)

اور تم اُن پر جبر کرنے والے تو ہو نہیں۔

فان تولیتم فانما علی رسولنا البلاغ المبین (تغابن آیت ١٢)

پھر اگر تم نے رُوگردانی کی تو ہمارے رسول کا فرض تو صرف صاف صاف تبلیغ ہی ہے

لست علیهم بمصیطر (غاشیہ آیت ٢٢)

کچھ تم اُن پر مسلط نہیں ہو۔

ان علینا للھدی (اللیل آیت ١٢)

بے شک ہم پر اچھی بُری راہ بتا دینا ہی ضروری ہے۔

اگر ایسا نہ ہو تو اُن انبیاء کی خیر نہیں جن پر ایمان لانے والے اُن کی اُمت میں سے قلیل ماھم کا مصداق رہے۔

یہ کہنا کہ "کیا خدا کی بنائی ہوئی عمارت کو انسانی ہاتھ مسمار کر سکتا ہے" اور

یہ کہ کیا خدا کا اہتمام و انتظام ایسا کنسیج العنکبوت ہے کہ انسان کے ہاتھوں ہباءً منثورا ہو جاتے؟ معارف وغیبیہ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

بیشک خدا اپنے تکوینی ارادہ و مشیت سے جس چیز کا اہتمام کر دے اس کو دنیا کی کوئی طاقت توڑ نہیں سکتی لیکن خدا کا یہ دستور نہیں کہ وہ بندوں سے زبردستی اطاعت کراتے اور اُن کو اُن کے افعال میں مجبور و مقہور کرے، ان معنوں سے کہ بندوں سے اسکی مرضی کے خلاف افعال سرزد ہوں اسکی بنائی ہوئی عمارتیں ہمیشہ مسمار ہوتی رہیں ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کے مفاد کے مطابق اُس نے اس کارخانۂ ایجاد کی بنیاد ہی اس لئے قرار دی تھی کہ لوگ اُس کی عبادت کریں لیکن دنیا آنکھ اٹھا کر دیکھیے کہ کتنے ہیں جو غرض خلقت کو پورا کر رہے ہیں،

کیا فی صدی ۹۹ اشخاص دنیا میں عبادت الہیہ کے تارک اور معاصی کے مرتکب نہیں ہیں؟ یہ کیا ہوا خدا کی بنائی ہوئی عمارت کیونکر مسمار ہو گئی۔ انبیاء و رسل کے بعثت کی غرض کیا تھی؟ کیا یہی تھی کہ اُن کی تکذیب ہو اور اُن کا خون بہایا جائے؟ پھر کیا خدا کی بنائی ہوئی عمارت مسمار نہیں ہوتی؟

سویٹ حکومت روسیہ میں جا کر دیکھئے مادیت کا دور دورہ ہے، مسجدیں، عبادت گاہیں، زمین کے برابر اور تمام دینی و مذہبی رسوم بے نام و نشان، خدائے آسمانی سے جنگ کا صریحی اعلان ہو رہا ہے کیا اس کے معنی یہ نہیں کہ خدا کی

بنائی ہوئی عمارت مسمار کر دی گئی ؟

یہ تو دُنیا کی بے انصافی اور کج رفتاری تھی کہ خدا کے نافرمان عاصی بندے تخت خلافت پر متمکن ہوئے اور وہ افراد کہ جن کو خداوند عالم نے امامت کا لباس مبدأ خلق سے پہنا دیا تھا اور رسُول کی زبان سے اُن کی خلافت و امامت کا اعلان کرا دیا تھا اُن کو طرح طرح کی اذیتیں سہہ کر گوشۂ گمنامی میں بسر کرنا پڑا اور آخر مصلحت آلہیہ کے اقتضاء سے ایک وقت معلوم تک کے لیے لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہو جانا پڑا لیکن خدا کا وعدہ ونمکن لھم فی الارض فان حزب اللہ ھم الغالبون فایدنا الذین امنوا علی عدوھم فاصبحوا ظاھرین ۔ ضرور پورا ہو گا اور دُنیا عدل و انصاف سے اُسی طرح معمور ہو گی جس طرح وہ اب تک ظلم و جور سے مملو ہوتی رہی ہے۔

(علی نقی النقوی عفی عنہ (از نجف اشرف)

اصول دین اور قرآن نمبر ۳

بجواب رسالہ عبقات الایمان

رسالۂ الواعظ نمبر ۲ و ۳ جلد ۱۰ میں میرا طویل الذیل مضمون اسی موضوع پر
۵۴ صفحہ میں شائع ہو چکا ہے اور مسئلہ عدالت و امامت پر کافی روشنی پڑ چکی
ہے، احمدی جماعت کی دیرینہ عادت کو دیکھتے ہوئے چونکہ اس بات کی کافی
توقع تھی کہ اس کے جواب میں بھی غیر متعلقہ باتوں کے متعلق کوئی نمایشی مقالہ یا
رسالہ شائع کیا جائیگا جس کے باعث سادہ لوح عقیدت کیشان کو اس امر
کے سمجھا بجھا دینے کا موقع مل جائیگا کہ وہ مضمون الواعظ کا لاجواب نہ رہا۔
لہٰذا جناب محترم مدیر الواعظ نے ضروری گذارش کے زیر عنوان اس اعلان
کو ضروری سمجھا کہ جس عبارت پر اعتراض ہو یا جو دلیل اُن کے نزدیک ناکافی
ہو اُس کو پورا نقل کر کے محققانہ و متکلمانہ تہذیب و متانت سے
اعتراض فرمائیں۔"

اس پر موقع انتباہ کے بعد اس امر کی توقع تھی کہ جماعت احمدیہ کے
مبلغین جواب میں حدود بحث و مناظرہ کا لحاظ کرتے ہوئے مذکورۂ بالا شرط کی

خلاف ورزی نہ فرمائیں گے لیکن ؎

"اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

ہم کو اُن سے اس شرط کی خلاف ورزی میں شکایت نہیں بلکہ ہمدردی ہے؛ درحقیقت اُن کے لئے ایک منظم و با اصول دائرہ کے اندر گفتگو کا راستہ بند ہو چکا تھا اور ادلہ و براہین کی طاقت ایسی نہ تھی کہ مُنہ درمُنہ اُن کا مقابلہ کیا جا سکے، ایسی صورت میں مبلغین جماعت کے لئے صرف دو ہی راستے تھے ایک یہ کہ سکوت اختیار کریں اور حق کے مقابلہ میں سپر اندختگی کا اعتراف کرلیں۔ دوسرے یہ کہ سیاہی اور کاغذ کے تھوڑے اسراف کو گوارا کرتے ہوئے کچھ نہ کچھ لکھ کر شائع کردیں یقیناً تبلیغی اصول کو مدِّنظر رکھتے ہوئے خوش عقیدہ افراد جماعت کی تسکین و تسلّی کے واسطے دوسری صورت متعین تھی لہٰذا نام آور مبلغ احمدی مرزا حسام الدین صاحب سکریٹری انجمن احمدیہ لکھنؤ کی جانب سے ایک سولہ صفحہ کا مضمون "عبقات الایمان" کے خوش آیند نام سے النجم لکھنؤ کی توسط سے شائع کرنا ضروری سمجھا گیا۔

ہم نے جہاں تک اس مضمون کو دیکھا اس میں تفاخر اور رجز خوانی کے سوا کسی علمی بحث کو استدلالی قوت سے کامیاب نہیں بنایا گیا ہے۔ انسانی بلند پروازی ہمیشہ نئی نئی صورتوں میں جلوہ گری کرتی رہی ہے، اُس نے کبھی کبھی انسانی کمالات کے حدود سے ترقی کرکے الوہیت کے رتبہ کا دم بھی بھرا ہے۔

تاریخی اوراق اور سوانح و سیر کے صفحات نے ہماری آنکھوں کے سامنے
ایسے نظارے بہت پیش کئے ہیں یہی دنیا کی فضا تھی جس میں انا الحق اور لا اعلم
لکم من اله غیری کی آوازیں گونج چکی ہیں اور اسی میں ؎
نیست اندر جبہ ام غیر از خدا - اور لا اله الا انا فاعبدون) کی صدا سے ہمارے
کان آشنا ہو چکے ہیں، ولید بن یزید بن عبدالملک نے انا ذلک الجبار
العنید کا ترانہ بلند کیا تھا اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اپنی نسبت
"منم خلیفۂ شاہی کہ آسماں باشد" اور اپنے فرزند کے متعلق ینزل مولود
کان اللہ نزل من السماء اور الہامی خواب میں (رایتنی کانی عین اللہ
فعلمت انی ھو) اور "صد حسین است در گریبانم" ارشاد فرما چکے ہیں۔

بالکل اسی عنوان سے مرزا حسام الدین صاحب بھی فرماتے ہیں کہ :-

مجھ سے کسے جہاں میں مجال ستیز ہے — برہان قاطع ایک میری کلک تیز ہے
گردوں سے جسے حق نے اتارا ہے وہ میں ہوں — جبار کو جس تیغ نے مارا ہے وہ میں ہوں
واللہ نور چشم نبی و امام ہوں — نص جلی یہ ہے کہ خدا کی حسام ہوں

(نیست اندر جبہ ام غیر از خدا) اور (صد حسین است در گریبانم) کے فلسفہ کے
مطابق اُن کا یہ بھی دعوےٰ ہے کہ

ہے مجھ میں علم و فضل جناب امیر کا

خیر "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" بزرگوں کی عمریں لولا علی لہلک اور عجزت

النساء ان یلدن مثل ابن ابی طالب او ولا ابقانی الله لمعضلۃ لیس فیھا ابوالحسن کہتے گذرے لیکن مرزا حسام الدین صاحب علم وفضل جناب امیر کے حامل ومالک بننا چاہتے ہیں، بقول ڈارون، عالم فلسفہ نشور وارتقاء کا پابند ہے، وہ ابھی زعلم وفضل جناب امیر کے دعویدار ہو کر اسکے مدعی ہیں کہ "والله پیشوا ہر صغیر و کبیر کا" لیکن کچھ ہی دن میں نبی بروزی وظلی اور تھوڑے دن کے بعد نبی حقیقی اور اس کے بعد اگر ہمت نے ساتھ نہ چھوڑا اور زندگی نے ساتھ دیا تو (انی عین الله وعلمت انی ھو) تک نوبت پہنچ جائیگی بات ہی کونسی ہے ؎

ہمت بلند دار کہ مردانِ روزگار | از ہمت بلند بجائے رسیدہ اند

پہلے جواب پیچھے سوال

مضمون متذکرہ بالا کا ایک حصہ وہ تھا جس کا مختصر الفاظ میں ہم نے خاکہ پیش کیا اور ناظرین نے اندازہ کیا ہوگا کہ وہ اس کا مستحق نہیں ہے کہ کسی علمی میدان بحث میں پیش کیا جائے۔ دوسرا حصہ مضمون کا بخیال خود ایسے اعتراضات وسوالات پر مشتمل ہے جنکے جواب سے اُن کے نزدیک علماء شیعہ عاجز ہیں لیکن جب ان اعتراضات کو غور سے دیکھا تو اُن میں کوئی بات تازہ نظر نہیں آتی بلکہ یہ وہی باتیں ہیں جن کا جواب سابقہ دو مضمونوں میں دیا جا چکا ہے ہم اُن اعتراضات کو ذیل میں نقل کر کے اُن کا جو جواب سابق مضمون میں پیشگی عرض کیا جا چکا ہے۔ اُسی کو ہدیۂ ناظرین کرتے

ہیں جس سے یہ اندازہ ہو گا کہ لائحہ نگار نے اس مضمون میں اپنے دل و دماغ کو نہیں بلکہ دست و قلم کو بے فائدہ زحمت دینے کے سوا کوئی قابل قدر خدمت اپنے مقصد کی نہیں کی ہے :

۱- اصول دین کا معیار اُنھوں نے قرآن مجید کی یہ تین آیتیں ذکر کی ہیں۔

(۱) من یکفر باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر فقد ضل ضلا لا بعیدا (۲) الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الا من وھم مھتدون (۳) ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبیین۔ اسکے بعد وہ رقمطراز ہیں۔

کہ ان جملہ آیات سے ایمان کی تشریح بھی ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کفر بالایمان کیا ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس ایمان کا بتانے والا اور سکھانے والا کون ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان پانچوں چیزوں پر ایمان نہ رکھنے والے کے لیے وعید یعنی عذاب ہے اور یہ بھی بخوبی یقین ہو گیا کہ اس ایمان کے قبول کرنے والوں کے لیے خوش خبریاں ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ان تمام ظاہر و باطن تصریحات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ شیعوں کے اصول دین نرالے اور بالکل اجنبی ہیں۔

ہمارا پیشگی جواب معترض کو مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ قرآن میں ایمان کی تشریح میں انھیں پانچ چیزوں کا تذکرہ

ہے اور انھیں کے انکار پر وعید یعنی عذاب ہے لہٰذا وہی اصول دین ہیں اور اسی لحاظ سے وہ فرماتے ہیں کہ "ان تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ شیعوں کے اُصول دین نرالے اور بالکل اجنبی ہیں۔ اسی بناء پر معترض کے نزدیک اُصول دین کا معیار یہ ہوا کہ اُن پر ایمان کی ہدایت ہوتی ہو اور اُنکے انکار پر وعید ہو حالانکہ قرآنی مطالعہ کے بناء پر یہ معیار بالکل غلط ہے، قرآن کی انیس[۱۹] آیتیں ایسی ہیں۔ جن میں بہت سے اشیاء پر ایمان کا حکم اور اُنکے انکار پر وعید ہے جو عامۃ مسلمین کے نزدیک اصول دین سے خارج ہیں۔ مذکورۂ بالا پانچ چیزوں کے علاوہ قرآن میں پانچ چیزوں پر اور ایمان کی ہدایت ہوتی ہے (۱) غیب (۲) آیات الٰہیہ یعنی معجزات وعجائب قدرت (۳) کلمات خدا (۴) عذاب خدا (۵) نعمات الٰہیہ، حالانکہ ان کو اصول دین میں کسی فرقہ نے داخل نہیں کیا ہے (ملاحظہ ہو الواعظ جولائی ۲۸ء) اتیار احمد صاحب ردولوی بھی اس معیار کی کمزوری کے کچھ ایسے بے طرح معترف ہوئے تھے کہ وہ کسی صورت سے اسکو اپنے موکل کی طرف منسوب ہونے کو گوارا نہ کرتے تھے اور اس لئے اُنھوں نے اس کو ہمارا طبعزاد معیار قرار دیا (غفار المستغفر نمبر۱) اس کے جواب میں ہم نے مشتہر سابق وحال کی عبارتوں سے ثابت کیا تھا کہ وہ اسی معیار کو بتلا رہی ہیں، (ملاحظہ ہو اصول دین اور قرآن نمبر۲ صفحہ ۳۹ و ۴۱) اب مشتہر کی موجودہ عبارت سے جو ہدیہ ناظرین ہو چکی صاف صاف ہماری تائید ہوئی اور ثابت ہوا کہ وہ اسی معیار کے قائل ہیں جس کی کمزوری طشت از بام ہو چکی ہے۔

(۲) عدل توحید کا مفہوم — معترض صاحب کا ہم سے سوال ہے کہ عدل توحید کے مفہوم سے کیوں باہر ہے۔

ہمارا پیشگی جواب — توحید کے معنی ہیں خدا کو ایک سمجھنا اور اسکی وحدت کا اقرار کرنا اور عدل کا مفاد ہے کہ خدا عادل ہے ظالم نہیں اور ان دونوں کے مفہوم میں فرق بالکل ظاہر ہے اور اصطلاحی حیثیت سے توحید و عدل دو سرخیاں ہیں جسکے تحت میں متعدد ابواب مندرج ہیں۔ توحید کے ذیل میں وجود صانع، وجوب ذاتی، قدم، علم، قدرت، حیات، ارادہ، نفی شریک، نفی احتیاج، نفی جسم و جسمانیات وغیرہ وغیرہ اور عدل کے تحت میں نفی جبر، نفی ظلم، عدالت اور اسکے تمام فروع و شعب مندرج ہیں اور توحید و عدل اپنے ان وسیع معنی کے ساتھ باری تعالیٰ کے تمام اوصاف ثبوتیہ و سلبیہ صفات ذات و صفات فعل سب پر حاوی ہیں (ملاحظہ ہو اصول دین اور قرآن نمبر ۲ صفحہ ۱) اگر عدل توحید کے مفہوم میں داخل ہوتا تو آپ کو توحید کے اقرار کرنے کے بعد ہم سے اس سوال کی ضرورت نہ پڑتی کہ "استقراء سے خداوند عالم کا عادل ہونا ثابت کیجئے۔

یہ عجیب لطیفہ اور سوالات کے تصادم و تناقض کا عالم ہے کہ استقراء سے خداوند عالم کا عادل ہونا ثابت کیجئے۔ اس سوال کا مفاد یہ ہے کہ معترض صاحب خداوند عالم کی صفت عدل کے منکر ہیں اور اسکے عادل ہونے کے معترف نہیں ہیں۔ دوسرا سوال کہ "عدل توحید کے مفہوم سے کیوں باہر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عدل کو توحید کے

مفہوم کا جزو سمجھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب عدل کا اقرار نہ ہوا تو توحید بھی ہاتھ سے گئی اور ایک جزو توحید یعنی عدل کے انکار کے ساتھ توحید کا بھی کامل اقرار نہ ہوا ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ

(۳) قرآن سے عدل کا ثبوت

مشتہر کا سوال ہے "کیا رحمان و مالک و رحیم کی طرح قرآن شریف نے عدل کو بھی صفت حقیقی خداوند عالم کی بتایا ہے اگر بتایا ہے تو وہ آیت پیش کرو۔

ہمارا پیشگی جواب

آیات قرآنیہ کا متفقہ فیصلہ "خدا عادل ہے ظالم نہیں" ایک چھوڑ چالیس آیتیں کیا اب بھی مطالبہ پورا نہیں ہوا (ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ "اصول دین اور قرآن" نمبر ۲ صفحہ ۲ تا صفحہ ۱۰) صریحی طور پر معترض کی تسکین کے لئے یہی دو آیتیں کافی ہیں۔

شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط (آل عمران پ ۳)	خدا اور ملائکہ اور تمام صاحبان علم گواہ ہیں کہ سوا اللہ کے کوئی خدا نہیں اور وہ صفت عدل کے ساتھ قائم و دائم ہے۔

اس آیت میں پہلا جزو توحید کو اور دوسرا عدل کو بتلا رہا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں عدل و توحید کا پلہ مساوی ہے۔

وتمت کلمتہ ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلماتہ (انعام پ ۸)	تمھارے پروردگار کی بات سچائی اور عدل کے ساتھ پوری اتری اُسکی بات کو کوئی

بدل نہیں سکتا"

(۴) قرآن میں عدل پر ایمان لانیکا حکم "قرآن شریف میں ایمان باللہ ایمان بالرسول کی طرح (یعنی اسی ہیئت ترکیبیہ کے ساتھ؟) عدل پر ایمان لانے کی کونسی آیت ہے؟

ہمارا پیشگی جواب وہی آیت جو توحید پر ایمان لانے کی ہے، قرآن میں کہیں ایمان بتوحید اللہ کا حکم نہیں ملتا، قرآن مجید کی اڑتیس آیتوں میں جس چیز کا حکم ہے وہ ایمان باللہ ہے اگر ایمان باللہ کا مفہوم صرف وجود باری تعالیٰ کا اعتراف ہے تو وہ توحید کو کسی طرح نہیں بتلاتا اور اگر ایمان باللہ صرف وجود باری کے اقرار کا نام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو اُن خصوصیات و اوصاف کے ساتھ جو اُسکے شایان ہیں ماننا اس کا حقیقی محصل ہے تو اس کے تحت میں جس طرح توحید مندرج ہوتی ہے اُسی طرح عدل بھی داخل ہے۔

(ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ اصول دین اور قرآن نمبر ۲ صفحہ ۵ لغایت ۱۱)

(۵) عدل پر ایمان لانے والوں کے لیے خوشخبریاں مشتہر کا سوال "قرآن شریف میں کہاں لکھا ہے کہ عدل پر ایمان لانے والوں کو خوشخبریاں ہیں"

(۶) ہمارا پیشگی جواب جس جگہ لکھا ہے کہ توحید پر ایمان لانے والوں کو خوشخبریاں ہیں۔

(۷) عدل کے منکروں کو وعید قرآن میں عدل کے نہ ماننے والوں کے لیے وعید کہاں آئی ہے؟

ہمارا پیشگی جواب اُسی جگہ جہاں توحید کے نہ ماننے والوں کے لیے وعید آئی ہے۔ درحقیقت توحید و عدل دونوں ایمان باللہ کے دو شعبے ہیں اور ایمان باللہ کے تحت میں دونوں کا اعتقاد ضروری ہے۔

(رسالۂ مذکورہ صفحہ ۹ لغایت ۱۱)

اب تو مشتہر کے اس دعوے کی حقیقت کھل گئی کہ ہمارے مطالبات کا زبانی تو زبانی ذری کہیں تحریر میں ہی ہمارے سوالات کا جواب دکھا دیجئے تب تو آپ کا دعویٰ حق اور درست ہے۔

ہم نے گذشتہ مقالات کے حوالوں سے دکھلا دیا کہ مشتہر کے مطالبات کا جواب تحریری حیثیت سے بتفصیل دیا جا چکا ہے اسکے بعد اسی پرانے آموختہ کو دہرانا عوام فریبی نہیں تو اور کیا ہے؟

برہان عقل یا استقراء

مشتہر کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ "استقراء سے خداوند عالم کا عادل ہونا ثابت کیجئے"۔ ہر مبتدی طالب علم اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ استقراء یعنی تتبع غالب جزئیات کبھی مفید قطع و یقین نہیں ہوا کرتا بلکہ ایک حد تک ظن غالب کا افادہ کرتا ہے

والظن لا یغنی من الحق شیئا۔ برخلاف اسکے برہان عقلی کا نتیجہ یقین کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی صورت نصوص کتاب سے جو امر ثابت ہوا اس میں کسی قسم کے شبہ و شک کی گنجائش نہیں ہوا کرتی۔ ہم دلیل عقلی اور نصوص قرآن مجید سے خداوند عالم میں صفت عدالت کو ثابت کر چکے ہیں (ملاحظہ ہو رسالۂ اصول دین اور قرآن نمبر ۲ صفحہ ۴ لغایت ۱۶ مندرجہ مجلۂ الواعظ جولائی ۱۹۲۸ء) اسکے بعد ہم سے استقراء کا مطالبہ کرنا عقل و شعور کا کوئی اچھا ثبوت نہیں۔"

جزئیات کے حکم کا استفادہ کبریٰ کلیہ کے ذریعہ سے جب کہ ہو گیا تو اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اس کلیہ کے بحکم عقل یقینی ہونے کے ساتھ جزئیات کا حکم قدرتی طور پر یقینی ہو جائیگا، اب اگر جزئیات میں ظاہری طور پر اسکے خلاف نظر آئے تو یہ اپنی آنکھوں کا دھندلا پن ہے واقعیت اس سے بدل نہیں سکتی۔

لطف یہ ہے کہ مشتہر صاحب اصول دین کے معاملہ میں قرآن مجید کے سوا کسی دلیل کے تسلیم کرنے پر تیار نہیں یہاں تک کہ حکم عقل کا قدم درمیان میں آنے کو بھی وہ گوارا نہیں کرتے اور فرماتے ہیں۔

"ایمان اپنی ذات کے اظہار اور کمالات میں کسی انسانی عقل و آرا کا محتاج و ممنون نہیں ہے۔"

لیکن اس موقع پر وہ دلیل عقل کی پست ترین قسم استقراء سے فائدہ اٹھانا

چاہتے ہیں اور اس طرح قرآن مجید کے نصوص قطعیہ کو ایک ناقص وظنی استقراء
کے مقابل میں پشت ڈال کر خود اپنے ساختہ و پرداختہ مقولہ حسبنا کتاب اللہ کی
بنیاد کو بھی ملیامیٹ کر رہے ہیں۔

جبکہ ہم کو حکم عقل اور نصوص قطعیۂ قرآنیہ نے بتا دیا کہ تمت کلمت ربك
صدقا وعدلا اور ان اللہ لیس بظلام للعبید خدا عادل ہے اور ظالم
نہیں تو ہمارا دعویٰ یہ ہونا چاہیئے کہ خدا کے تمام افعال مقرون عدالت کے ساتھ
ہیں ہم کو ایک ایک کر کے اُسکے افعال کو شمار کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمارا دعویٰ
ہے کہ اس کا ہر فعل میزان عدل پر منطبق ہے۔ اُس میں ناانصافی اور ظلم کا
شائبہ نہیں بعض مقامات پر ہماری نظروں کو اس کے خلاف دکھلائی دے
تو وہ ہمارے عقل و شعور و ادراک و فہم کا قصور ہے۔

خداوند عالم کا فیض اسکے مخلوقات تک اُنکے ظرف استعداد و قابلیت کے موافق
پہنچتا ہے اور اُس میں اختلاف و تفاوت، مراتب استعداد قابلیت کے اختلاف
پر مبنی ہے نہ یہ کہ مبداء فیض کی طرف سے ایک کے ساتھ طرفداری اور دوسرے
کے ساتھ بے انصافی ہوتی ہو اور ماہیات و حقائق کا اختلاف اُن کے ذاتی
خصوصیات کا نتیجہ ہے جس میں کسی خارجی تاثیر کو دخل نہیں کتا کتا ہی ہے اور انسان انسان
نہ یہ کہ خدا نے کتے کو کتا بنا دیا اور انسان کو انسان بلکہ اُس نے کتے اور انسان
دونوں کو خلق کیا ہے یعنی دونوں پر افاضۂ وجود کیا ہے جو اُس کی

صفت جود اور عدالت کا نتیجہ ہے اس لئے کہ قابلیت و استعداد کی موجودگی میں افاضہ وجود نہ کرنا مبداء فیاض کی طرف سے بخل اور ظلم ہے۔

جس طرح قبل حدوث بعض اشیاء کا خلق کرنا اور بعض کو حیز عدم میں باقی رکھنا مصالح و حکم کے اعتبار سے اِن اشیاء کی صلاحیت و استعداد کے اختلاف کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح بقاؤ دوام کے اعتبار سے اُن کے ساتھ فیض وجود کا متعلق رکھنا اُن کی استعداد و صلاحیت کے تفاوت پر مبنی ہے جیسے ایک کو سو برس پہلے اور ایک کو سو برس بعد پیدا کرنا نا انصافی اور دل بخواہ و عبث فعل نہیں اسی طرح ایک سے دس برس پہلے اور دوسرے سے دس برس بعد اس فیض کا قطع کر لینا نا انصافی اور ظلم نہیں بلکہ اُن دونوں کے ذاتی قابلیت و استعداد اور مصالح و حکم کے اختلاف کا ثمرہ ہے۔

مومنین اور مقربین بارگاہ کو امتحانی حیثیت سے جو مصائب دنیا میں پہنچتے ہیں اُنکے مقابل بڑے بڑے ثواب اور درجے مقرر ہیں جن کو دیکھتے ہوئے دنیا کے چند روزہ مصائب بے حقیقت ہو جاتے اور اس بہترین مجازات کو دیکھتے ہوئے وہ میزان عدل سے یکسر علیحدہ نہیں ہیں۔

خدا کی مالکیت تامہ اور حکمت مطلقہ کا نتیجہ یہ ہے کہ اُس سے جو افعال بھی صادر ہوتے ہیں وہ مخالف عدل اور داخل ظلم و تعدّی نہیں نہ یہ کہ وہ سب عدالت کے خلاف ہیں لیکن عدالت خدا کے لئے ضروری نہیں جیسا کہ ہمارے خوش فہم

معترض کا خیال ہے۔

ہمارے مذکورۂ بالا بیانات سے معترض صاحب کی حسب ذیل عبارتوں کا نمبر وار جواب ہو جاتا ہے۔

"بعض کے ساتھ اُسکی قدرت کا کامل متعلق ہونا اور بعض کے ساتھ کمتر ہونا ترجیح بلا مرجح ہے اور یہ عند العقل محال اور منافی عدل ہے۔"

"ہر روز ہزاروں انسانوں کے بچہ اور چرند اور پرند اور کیڑے مکوڑے کیوں ہلاک کئے جاتے ہیں۔ خدا باوجود عدل کی دائمی صفت سے موصوف ہونے کے اُنکے متعلق عدل کیوں نہیں کرتا۔"

ایک کُتا کہہ سکتا ہے کہ مجھ کو بیل کیوں نہ بنایا اور بیل کہہ سکتا ہے کہ مجھ کو انسان کیوں نہ بنایا یہ جانور اسی دنیا میں جنم کا نمونہ بھگت رہے ہیں۔"

"کیا اُسکے عدل کی یہی کیفیت ہے کہ جگر پارۂ رسول اور نور چشم بتول صلوٰۃ اللہ علیہ اور امثال اُنکے میدان ستم میں بھوکے پیاسے خدائے عادل کے روبرو تیغ جفا سے شہید ہوں رکن دین نبوی دشت کربلا میں گرایا جائے ورق مصحف ناطق بے دردی سے مٹایا جائے خیام آل اطہار پر پھول آگ لگے اپڑے ساز و براق لوٹے جائیں مگر شیعوں کا عادل ہوں تک نہیں کرتا۔ بلکہ امام حسینؑ

کے مخالفوں کو سلطنت دیتا ہے جو رحمت آلٰہی ہے۔

اس عبارت میں یہ عنصر بھی بہت کچھ کارفرما ہے کہ بندوں کے افعال اور گناہوں کی ذمہ داری خدا پر ہے اور درحقیقت خدا کو صفت عدالت سے معرّا مان لینے کے بعد اس قسم کے خیالات فاسدہ کا قائل ہونا کچھ تعجب خیز نہیں ہے۔"

کُتب آسمانی کے پہلے عدل کا ثبوت

"خدائے تعالیٰ قبل قانون (کتب آسمانی) نازل کرنے اور اُس میں وعدہ وعید کرنے کے عدل کس طرح سے کرتا تھا قرآن سے ثبوت دیجئے اور پچاس روپیہ انعام لیجئے۔"

یہ سوال ہے جس پر مشتہر صاحب بہت نازاں معلوم ہوتے ہیں لیکن قرآن کریم میں تدبر کے بعد اس سوال کا حل بالکل آسان نظر آتا ہے۔ قرآن میں خود بعثت انبیاء اور ارسال رسل کا سبب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ۔

لئلّا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل
تاکہ بندوں کے لئے خدا کے مقابل میں کوئی حجت باقی نہ رہ جائے بعد پیغمبروں کی بعثت کے۔

یعنی اگر پیغمبر مبعوث نہ ہوتے تو خداوند عالم کے لئے بندوں کو اپنی نافرمانی اور مخالفت پر سزا دینے کا موقع نہ تھا کیونکہ بندے کہتے کہ ہم کو تو اپنے اوامر ونواہی

سے مطلع ہی نہیں کیا تاکہ ہم تیری اطاعت اور فرماں برداری کرتے اور اس صورت میں تعذیب اور سزا دینا ناانصافی اور ظلم ہوتا لہذا پیغمبر مبعوث کئے گئے تاکہ بندوں کا عذر قطع ہو جائے اور اُنکی کوئی حجت باقی نہ رہے اور ان کو مخالفت و عصیاں پر سزا دینا موافق عدل ہو جائے۔

دوسری آیت وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا ہمارا کبھی یہ شیوہ نہیں رہا کہ کسی قوم پر عذاب کریں جبتک کہ کوئی رسول اُن کی طرف مبعوث نہ کردیں۔

تیسری آیت لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حیّ عن بینۃ۔ (بعثت انبیاء کی غرض یہ تھی کہ) جو شخص ہلاک ہو وہ حجت تمام ہونے کے بعد اور جس کو زندگانی حاصل ہو وہ بھی بعد اتمام حجت۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اصل انبیاء کا مبعوث کرنا اور کتب آسمانی کا نازل کرنا اور اُس میں وعدہ وعید کرنا صفت عدل کی مراعات اور ظلم و ناانصافی سے منزہ و مبرا ہونے پر مبنی تھا اور یہ کہ وعدہ وعید کے پہلے سے افعال خدا وندی میں صفت عدل کارفرما ہے اور اُسمیں ظلم و تعدی کا شائبہ نہیں یہ ہے قرآنی ثبوت جو ہدیۂ ناظرین ہے لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حیّ عن بینۃ رہ گیا انعام اُسکی ہمیں ضرورت نہیں بل انتم بھدیتکم تفرحون

مفہوم عدل کی توضیح

عدل کا مفہوم ہے کاموں میں تعدی و تجاوز سے بچ کر ترازو کو قائم رکھنا اور دوسروں کے معاملہ میں اپنی اور اُسکی شایان شان و استحقاق رفتار سے عدول نہ کرنا۔ مالک و مملوک، سلطان و رعیت، پدر و فرزند، شوہر و زوجہ، بھائی بھائی، دوست دوست غرض ہر صنف کے اندر اُسکے درجہ اور اعتبار سے کچھ حدود قائم ہیں کہ جب اُن حدود کی مخالفت کی جائیگی تو وہ ظلم و تعدی کا مصداق ہوگا اور جب اُن حدود کی مراعات ہوگی تو وہی صفت عدالت کہلائے گی۔

مالک و مملوک کے رابطہ کا بے شک یہ اقتضا ہے کہ مملوک کو مالک کی خدمت و اطاعت کرنے کے مقابل کوئی حق نہیں ہے باین معنی کہ اس کو انعام کا استحقاق نہیں ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مالک کے لئے روا ہے کہ وہ مملوک کو بے وجہ ایذا پہنچائے اور بلا قصور اُسکو سزا دے یا دو ایسے مملوک کہ جن میں سے ایک مطیع و فرمان بردار اور دوسرا عاصی و نافرمان ہے اُن میں جزا و سزا کے اعتبار سے معاملہ بالکل برعکس ہو جائے یعنی اطاعت گذار کو سزا اور غیر اطاعت گذار کو جزا دی جائے یا مملوک کو ایسے احکام دیئے جائیں جن کی تعمیل اس کی قوت و طاقت سے باہر ہے اور پھر مخالفت کی صورت میں جو اس ذاتی عجز کے باعث سے ناگزیر ہے اُسکو سزا دی جائے یا مالک خود اس

مملوک کو بعض افعال پر مجبور کرے پھر خود ہی اُس کو سزا دے کہ ایسا کیوں کیا، وہ مالک جس کا یہ طرزِ عمل ہو یقیناً ظالم و ستمگار اور عقل کے نزدیک مورد مذمت و ملامت ہے۔

عدل ایسے ہی حدود کی نگہداشت کا نام ہے جن سے تجاوز کرنا ظلم و تعدی کا مصداق ہے یہ مسئلہ اگرچہ محل اختلاف ہے کہ بندوں کو اپنے نیک کاموں کے مقابلہ میں خداوند عالم پر کسی ثواب کا استحقاق ہے یا نہیں بایں معنی کہ ثواب درحقیقت نیک اعمال کا بدلا ہے جس کے بندگان خدا حقدار ہیں یا یہ کہ وہ حقیقتہً تفضّل ہے کہ جس کو وعدہ کے ذریعہ سے خداوند عالم کا اپنے اُوپر لازم کر کے ثواب نام رکھنا بھی خود اُسکا ایک تفضل ہے لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ رابطۂ ربوبیت و عبودیت ہی کے اقتضاء سے کچھ نہ کچھ حدود ایسے ضرور قائم ہیں کہ جن کی مخالفت خداوند عالم کی حکمت و شان ربوبیت کے خلاف ہے اور اُن کی مراعات عدل اور اُن کی مخالفت ظلم ہے ان حدود اور اُنکے مخالفت کی مثالیں ہمارے سابق رسالہ میں ذکر کی جا چکی ہیں مثلاً خدا کا اپنے بندوں کو بُرے کاموں پر مجبور کرنا اور خود ہی اُن کو سزا دینا، بندوں کو انکی طاقت سے زیادہ تکلیف دینا نافرمان بندوں کو اُنکے استحقاق سے زیادہ سزا دینا۔ فرمانبردار بندوں کو اُن کے اعمال کا جتنا بدلا خود مقرر کیا ہے اس سے کم بدلا دینا، بندوں پر بغیر قصور کے عذاب نازل کرنا، اپنے احکام کو پہنچائے بغیر اُن کی مخالفت کرنا وغیرہ وغیرہ اور

یہی وہ چیزیں ہیں جن میں ایک ایک کا نام لیکر صاف طور پر قرآن مجید میں خداوند عالم کی ذات سے نفی کی گئی ہے اور یہی معنی عدل باری تعالیٰ کے ہیں کہ وہ اس قسم کے تمام افعال واوصاف سے مبرا و منزہ ہے، خداوند عالم کی مالکیت مطلقہ اور ربوبیت تامہ کا یہ لازمہ نہیں ہے کہ اُس کے لئے ہر قسم کی بے انصافی اور ظلم و تعدی جائز و روا ہو جاتے۔ ظلم و تعدی خداوند عالم کی ذات کے لئے قبیح و محال اور عدل لازم اور عفو و احسان مستحسن ہے۔ مطیع و عاصی کو اُس کے استحقاق کے مطابق جزا اور سزا دینا شان عدل کا اقتضاء اور عاصیوں کے گناہوں سے درگذر کرنا رحمت و عفو کا نتیجہ ہے لیکن مطیع کو ثواب کے بدلے عذاب کرنا ظلم ہے جو کسی صورت سے جائز نہیں، ہمارے مذکورۂ بالا بیان سے معلوم ہو گیا کہ عدل جس کو ہم ذات الٰہی کے لئے ضروری کہتے ہیں وہ ظلم و تعدی کے مقابل صفت ہے اور اس سے چند نتیجہ برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) عدل خداوند عالم کی مالکیت مطلقہ سے کوئی تصادم نہیں رکھتا۔

(۲) صفت عدل ظلم و تعدی کے مقابل مفہوم ہے اور عدل کا نہ ہونا ہی عین ظلم ہے۔

(۳) عدل کی صفت جو خدا کے لئے لازم ہے وہ چونکہ ظلم کے مقابل میں ہے لہٰذا عفو و احسان اور تجاوز و غفران صفت عدل کے منافی نہیں ہے۔

ان روشن حقائق کے واضح ہو جانے سے شنتر کی مندرجہ ذیل عبارات

کا سلسلہ وار جواب ہو جاتا ہے۔

"عدل کا مفہوم جانبین میں حقوق کی مساوات چاہتا ہے لہٰذا بتائیے کہ بندہ کا خداوند عالم پر کیا حق ہے کہ جو اُس سے عدل کو چاہتا ہے۔"

"برہان آفاقی یعنی تفرقہ عالم شہادت دیتا ہے کہ خداوند عالم کی صفت مالکیت کائنات عالم میں کام کر رہی ہے نہ صفت عدل" "عدل کا مفہوم ضرور اس بات کو چاہتا ہے کہ اوّل جانبین میں کوئی حق قرار دیا جائے اور اُس حق کی خواستگاری میں عدل کی درخواست کی جائے لیکن یہ بات سب جانتے ہیں کہ مخلوق کا خدائے تعالیٰ پر جب نے عدم محض سے پیدا کیا ہے کوئی حق نہیں"

اگر کہو کہ وہ عادل نہ ہوگا تو یاد رکھو کہ یہ دونوں شقیں حکم ارتفاع نقیضین میں ہیں کہ جو عند العقل باطل ہے۔ پس نہ وہ عادل ہے اور نہ وہ ظالم بلکہ بمصداق آیت شریف رحیم و مالک ہے۔"

(واضح رہے کہ جس طرح نقیضین کا ارتفاع ناممکن ہے اسی طرح ضدین لاثالث لہما جیسے حرکت و سکون ان کا بھی درصورتِ وجود موضوع ارتفاع ناممکن ہے اور عدل و ظلم اس بیان کے مطابق جو نذر ناظرین ہوا ایسی نوعیت رکھتے ہیں لہٰذا عادل نہ ہونے کی صورت میں ظالم ماننا لازمی ہے، رحیم و مالک ہونا صفت عدل کے مقابل نہیں ہے)

"اس ایک صفت کے قائم کرنے سے غفور تواب رحیم تینوں صفتوں کا اُس ذات میں عدم لازم آتا ہے" ہر ایک بدی کی سزا دینا خدا کے اخلاق عفو اور درگذر کے خلاف ہے۔"

مشتہر صاحب نے تین صفحوں میں آریوں اور عیسائیوں کے سامنے خداوند عالم کی عدالت کے مقابل میں عفو و غفور ہونے کو ثابت کرنے کی جو زحمت گوارا فرمائی ہے وہ ہمارے موضوع بحث سے بالکل خارج ہے، ہم خداوند عالم کو عفو و غفور تواب و رحیم بھی مانتے ہیں اور عادل بھی، بے شک آریہ اور عیسائی ایک طرف اور قادیانی و احمدی دوسری جانب تینوں ہی فریق ہمارے نزدیک یومن ببعض ویکفر ببعض کا مصداق ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے دونوں فرقوں نے صفت عدالت کے اقرار کے ساتھ عفو و غفران کی صفت سے کنارہ کشی کی ہے اور دوسرے فریق نے عفو و مغفرت کے اقرار کیساتھ صفت عدالت کے انکار کو ضروری سمجھا ہے۔ ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السموات والارض

اخلاقی موازنہ

مشتہر صاحب نے ہمارے ۵۴ صفحہ کے رسالہ میں سے صرف ان چند لفظوں کو نقل کرنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے کہ :-

دو سال کا زمانہ گذر گیا صداتے برنخواست عالم احمدیت شہر

خموشاں بن گیا" بلفظ الواعظ نمبر ۲ و ۳ ۱۹۳۱ء"

اُن کو اس عبارت میں نہیں معلوم کیا نظر آیا اور لفا و الحق ہر اُن کو کتنی تلخی محسوس ہوتی کہ وہ اس کے اخلاقی پہلو کا مرثیہ پڑھنے بیٹھ گئے اور وہ رقمطراز ہیں کہ :-

"ناظرین! احمدیت کی تعلیم و اخلاق اِس عبارت کے ہم وزن جواب دینے سے قاصر ہے"

لیکن اُنہی کے مخاطب ناظرین اگر غور سے دیکھیں تو اُن کو احمدیت کی تعلیم و اخلاق کا نمونہ چند ہی صفحوں کے بعد حسب ذیل الفاظ میں نظر آئے گا :-

"اب ہم پھر اپنے اصلی مخاطبین علمائے تشعین سے عرض کرتے ہیں کہ دیکھا حضرات یہ آپکا وہ تحفہ ہے جسکو آپ نے آریوں اور عیسائیوں سے لیکر ناحق احسان مندی کی صلیب کو اُٹھا کر اپنے کندھے پر چڑھایا جس سے بجز بوجھوں مرنے کے نجات ملی"

یہ ہے غلام احمدی تہذیب و اخلاق۔

موازنہ دیگر

احمدیت کے پلہ کا ارتفاع

بقول مشتہر صاحب، دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے۔

مشتہر صاحب نے اپنے اس مختصر سے رسالہ یا اشتہار میں جس طرح اپنے شاعرانہ کمالات کا مظاہرہ کیا ہے علم جدل و مناظرہ کے جوہر دکھلائے ہیں فن مغالطہ و سفسطہ میں مہارت کے نمونہ پیش کئے ہیں اسی طرح انھوں نے اپنی فلسفی شان اور برہانی طاقت کا اظہار ضروری سمجھ کر کچھ عقلی زبردست اعتراضات پیش کرنا بھی ضروری سمجھے ہیں جن کے مقابلہ میں بخیال اُنکے عالم شیعیت لرزہ براندام نظر آئے گا ہم اُن اعتراضات کو اُنہی کی لفظوں میں ایک ایک کرکے نقل کرتے ہیں جس کے بعد ناظرین اندازہ کرینگے کہ اُن میں کہاں تک قوت ہے۔

پہلا اعتراض "لفظ توحید کہ جو ذات مستجمع صفات و کمالات ہے اُس پر صفت عدل زائد موجودہ کو ماننا توحید کے مصداق ہونے میں تعدد و تثنیہ کو چاہتا ہے اور یہ شرک ہے"

حضور والا لفظ توحید ذات مستجمع صفات و کمالات نہیں ہے، وہ تو ایک دہن سے نکلتی ہوئی پنج حرفی صدا ہے جو مرکب ہے ت و ح ی د سے اور ظاہر ہے کہ لفظ ع د ل اُس پر زائد اور اُس سے جداگانہ ہے لایبقی من الاسلام الا اسمہ کے مفاد کے مطابق اسلام کو اسمی اور رسمی حیثیت سے رکھنے والے حقیقت ذات احدیت کو لفظ "توحید" میں محدود نہ سمجھیں گے تو اور کیا ہوگا۔ ذات باری لفظ توحید کا مصداق بھی نہیں ہے اسلئے کہ اسمائے حسنیٰ باری تعالیٰ میں توحید کی لفظ نہیں اور نہ اللہ توحید کہنا صحیح ہے۔ مفہوم توحید پر صفت عدل کو زائد ماننے

کا لازمہ بھی یہ نہیں ہے کہ مصداق میں تعدد و تثنیہ پیدا ہو جائے، عالم قادر مرید کارہ حی خالق رازق وغیرہ سب کا مفہوم جداگانہ ہے لیکن مصداق سب کا ایک ہی ذات مستجمع الصفات والکمالات ہے۔

دوسرا اعتراض "اگر صفت عدل بھی صفات حقیقیہ سے عین ذات ہے تو اقتران و انضمام صفت عدل کا موصوف کے ساتھ مستلزم ترکیب ہوگا"

اگر عبارت نہ ہو تو عرض کیا جائے کہ اقتران و انضمام کے لئے تغایر کی ضرورت ہے اور ترکیب تعدد کی مقتضی ہے اور جبکہ اس صفت کو مقام مصداق میں عین ذات تسلیم کر لیا تو نہ اقتران و انضمام کی لفظ کا اطلاق صحیح ہے اور نہ ترکیب اُس کا لازمہ ہے۔ بے شک توحید و عدل میں مفہومی فرق ہے جس کے باعث توحید کی لفظ کے بعد عدل کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔

تیسرا اعتراض۔ اگر صفت عدل زائدہ کو قائم لذاتہ تسلیم کیا جائے۔ تو استکمال ذات آلہی کا بسوئے غیر لازم آتا ہے"

بیشک صفت زائدہ ماننے کا لازمہ یہی ہے اور اسی لحاظ سے ہم آپ کے ہم مشرب فرقۂ اشاعرہ کی ہاں میں ہاں ملانے سے قاصر ہیں۔ جو صفات باری کو زائد علی الذات سمجھتے ہیں لیکن ہم تو صفات آلہیہ کو عین ذات سمجھتے ہیں جس کی بناء پر استکمال بالغیر کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا"

یہ تھے وہ اعتراضات جن کو بڑے رعد و برق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے مگر ناظرین نے دیکھ لیا کہ اُن میں کتنی طاقت ہے۔

عدل کے قرآنی ادلہ
اور
مشتہر کی پریشانی

"اصول دین اور قرآن نمبر ۲ میں خداوند عالم کی صفت عدل اور نفی ظلم کے اثبات میں چالیس آیتیں پیش کی گئی ہیں، مشتہر نے کافی غور و خوض کے بعد جب سینتیس آیتوں میں مجال دم زدن نہ دیکھا تو صرف تین آیتوں کو بخیال خود مورد اعتراض قرار دیکر چھٹکارا حاصل کرنا چاہا ہے۔

(۱) ان اللہ یامر بالعدل والاحسان — یقیناً خدا عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

غرض اس آیت کے ساتھ استدلال سے یہ ہے کہ عدل و احسان ایسی صفت ہے جو خدا کو محبوب و مطلوب ہے وہ چیزیں کہ جنکا خداوند عالم نے حکم دیا ہے چند قسم کی ہیں ایک وہ فرائض عبودیت ہیں کہ جو بندوں کے لئے بہ نسبت اپنے خدا کے لازم ہیں جیسے نماز روزہ اور اُن کے مقدمات وغیرہ یہ عباد کے ساتھ مخصوص ہیں اور خدا انکا عمل پر انہیں اسلئے کہ وہ کسی بلند و برتر ہستی

کے ساتھ سلسلۂ عبودیت نہیں رکھتا کہ اُسکے فرائض کو ادا کرے، دوسرے وہ باہمی افراد کے روابط و تعلقات ہیں جنکی بنیاد اعضاء و جوارح اور جسم و جسمانیات پر قائم ہے مثلاً چار عورتیں کرنے کا حکم ان سے خلوت کرنے کا حکم، طلاق کا حکم، بچّوں کو دودھ پلانے کا حکم وغیرہ وغیرہ جنکو معترض نے پیش کیا ہے اُنکا اعضاء جسمانیہ سے متعلق ہونا خود بندوں کے ساتھ اُنکے اختصاص کا ذمہ دار ہے۔ خداوند عالم سے اُنکے صدور کی توقع بے موقع ہے تیسرے وہ صفات و کمالات جنکی بنیاد جسمانی تعلقات پر قائم نہیں ہے اور اُن کا ثبوت باری تعالےٰ کے لئے ناممکن نہیں ہے، اُن صفات میں جس چیز کا وہ حکم دیتا ہے خود بھی اُس کے ساتھ متصف ہے، صدق کا حکم دیتا ہے اور خود بھی صادق ہے۔ ومن اصدق من اللہ قیلا وعدہ وفائی کا حکم دیتا ہے اور خود بھی وعدہ وفا کرتا ہے ان اللہ لا یخلف المیعاد ظلم سے منع کرتا ہے اور خود بھی ظالم نہیں ہے وما ربک بظلام للعبید، یہاں تک کہ صلوٰۃ کا پیغمبر پر اُس نے حکم دیا ہے اور خود بھی عامل ہے۔ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی۔ خود اس کو یہ بات بری معلوم ہوتی ہے کہ کسی چیز کا حکم دیا جائے غیر کو اور خود اس پہ عامل نہ ہو اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم، وہ صفت کہ جو اُس کو محبوب و مطلوب اور اُس کے خلاف طرز عمل مکروہ و مبغوض ہے اُسکا انتفاء اُسکی ذات مقدسہ سے اُسکی حکمت مطلقہ

کو دیکھتے ہوئے چند ہی صورتوں سے ہو سکتا ہے ایک یہ کہ وہ اُس صفت کی تحصیل سے عاجز ہے اور اُس کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اُس صفت کو اختیار کر سکے دوسرے یہ کہ وہ اُس صفت کے محبوب و مطلوب ہونے سے ناواقف اور جاہل ہے اور تیسرے یہ کہ اُس محبوب و ممدوح صفت کو جان بوجھ کر باختیار خود وہ ترک کرتا ہے پہلی صورت عجز اور دوسری جہل اور تیسری عبث و سفاہت وتعالیٰ الله عن ذلك علوا كبيرا۔

(۲) وما ربك بظلام للعبيد تیرا پروردگار بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

مشتہر صاحب رقمطراز ہیں۔ "اوّل تو قرآن شریف میں لفظ ظلم بہت سے معنوں میں آیا ہے یہاں تک کہ مقام مدح میں بھی ظلم کا لفظ آیا ہے"۔

اوّل تو اس کا ثبوت مشتہر کے ذمہ ہے کہ مقام مدح میں ظلم کا لفظ کہاں آیا ہے اسکے علاوہ یہ امر بالکل واضح ہے کہ صفت ظلم جس کی خدا اپنی ذات سے نفی کر رہا ہے اُن معنوں میں نہ ہوگی کہ جن کے اعتبار سے مقام مدح میں ظلم کا لفظ آیا ہے۔ بلکہ اُس کے معنی یہاں ناانصافی اور بے عدالتی ہی کے ہو سکتے ہیں، یہ کہنا کہ "ظلم کا مقابل عدل کب آتا ہے کوئی محاورہ نہیں بلکہ ظلم کے مقابل پر رحم لاتے ہیں"۔ عربی زبان سے ناواقفیت پر مبنی ہے، ظلم کے وہی معنی تعدّی و تجاوز اور وضع الشئ فی غیر محلہ کے ہیں اور اسی کے مقابل صفت کا نام عدالت ہے جسکی توضیح سابق میں پورے طور پر ہو چکی ہے۔ رحم کے مقابل قساوت ہے جس کو مفہوم ظلم سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳) شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط

خدا اور اُس کے ملائکہ اور صاحبانِ علم اس امر کے گواہ ہیں کہ اُس خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ صفت عدل کے ساتھ قائم و دائم ہے۔

اس موقع پر مشتہر صاحب نے اپنے تبحر علمی اور علم نحو اور عربیت میں مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے حسب ذیل گہر افشانی فرمائی ہے:۔

آیت میں قائماً بالقسط حال واقع ہوا ہے ملائکہ اور اولوالعلم کا اور یہ بات نحو میر کے پڑھنے والے بچے بھی خوب جانتے ہیں کہ معطوف اور معطوف علیہ ایک حکم میں شامل ہوتے ہیں لہٰذا خدائے تعالیٰ نے گواہی دی کہ اللہ ایک ہے اور فرشتہ اور علم والے خدا کی گواہی کے خلاف گواہی دے رہے ہیں کہ وہ عادل ہے یہ خدا کو لازم تھا کہ شہادت دیتا کہ میں عادل بھی ہوں اور اکیلا معبود بھی ہوں۔ یہ عجیب دھما چوکڑی ہے کہ خدا کی گواہی اور ہے فرشتوں اور علم والوں کی شہادت خدا کی شہادت سے اور ہے۔"

اس عبارت کے اجزا مشتہر صاحب کے ذہن کی ترجمانی کرتے ہوئے کچھ اتنے منتشر اور پریشان ہیں کہ اُنکا تطابق و توافق ہمارے ہاں کی بات نہیں نیز علمی موازنہ کے اعتبار سے اُن کی ساخت و پرداخت بھی انسان کی طاقت سے باہر ہے۔

اتنی بات کا سمجھنا شاید دشوار نہ ہو کہ حال و ذوالحال کے درمیان مفرد و جمع ہونے میں تطابق ہوتا ہے پھر قائماً بالقسط جو مفرد صیغہ ہے وہ ملائکہ و اولوالعلم کا جو جمع کے صیغہ ہیں حال کیوں کر قرار پائے گا؛ اس وحدت و تعدد کے اجتماع کو شاید مشتہر نے نصاریٰ کی توحید فی التثلیث کے گورکھ دھندے سے اخذ کیا ہے۔ اور جبکہ نحو میر پڑھنے والے بچے بھی واقف ہیں کہ معطوف و معطوف علیہ ایک حکم میں شامل ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ملائکہ و الوالعلم کا عطف لفظ اللہ پر ہے تو جس طرح ملائکہ و اولوالعلم کے لئے قائم بالقسط کے حال ہونے کو ثابت کیا گیا ہے وہ خدا کے لئے بھی ثابت ہوگا۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ جب قائما بالقسط ملائکہ و اولوالعلم کا حال قرار دیا گیا تو یہ اُن کی صفت قرار پائے گی بایں معنی کہ ملائکہ و اولوالعلم قائم بالقسط ہیں۔ پھر یہ معنی کیونکر پیدا ہوئے کہ خدا گواہی دیتا ہے کہ وہ واحد و یکتا ہے اور ملائکہ و اولوالعلم گواہی دیتے ہیں کہ وہ یعنی خدا عادل ہے اس کے لئے تو ضرورت اس کی تھی کہ قائما بالقسط مشہود بہ واقع ہوتا اور عبارت یوں ہوتی کہ شھد اللہ انہ لاالٰہ الاھو والملٰئکۃ واولوالعلم ا قائم بالقسط ء

پھر معنوی حیثیت سے یہ امر سمجھنے کے قابل ہے کہ آخر ملائکہ اور ان ہستیوں کو جن کو مقام مدح میں اولوالعلم سے تعبیر کر کے خود حضرت حق تعالیٰ نے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کے مصداق ہونے کی گواہی دیدی

ہے ان سب کو خدا کے ساتھ کون سی ضد پیدا ہو گئی ہے کہ یہ اُس کے مقابلہ میں کہار کی لڑائی پر تُل گئے ہیں، وہ تو کہہ رہا ہے کہ میں واحد و یکتا ہوں اور یہ خواہ مخواہ اُس کے بر خلاف یہ کہے جا رہے ہیں کہ وہ عادل ہے۔ ملائکہ کے متعلق تو خود حضرت احدیت نے فرمایا ہے کہ لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون پھر یہ آخر جنگ مغلوبہ کیسی خدا اور اُس کے پاک و مقدس ملائکہ اس تہمت سے بلند و برتر ہیں۔

اس دھما چوکڑی کی ذمہ داری تو مشتہر صاحب پر ہے کہ اُنھوں نے خداوند عالم کے معجز کلام کی تفسیر اپنے فہم کے مطابق اس طرح کی ہے کہ نہ وہ قواعد عربیت پر منطبق نہ فصاحت و بلاغت کے اُصول کے موافق اور نہ معنوی حیثیت سے قابل قبول ہے، انھوں نے خدا اور اُسکے ملائکہ کو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور اُن کے قادیانی اور احمدی اتباع کے مثل سمجھ لیا ہے، مرزا صاحب کا دعویٰ یہ کہ مَیں مسیح بن مریم اور مہدی موعود ہوں، قادیانی جماعت کا ادعا یہ کہ وہ نبی بروزی اور ظلی یا نبی حقیقی تھے اور احمدیوں کا قول یہ ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں بلکہ ایک مجدد مذہب کی حیثیت رکھتے تھے۔

اس دھما چوکڑی کی مثال خدا کے کارخانۂ قدرت اور عالم ملکوت و جبروت میں ڈھونڈھنا خدا شناسی کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں ہے۔"

مشتہر صاحب سورۂ حمد میں صفت عدل کا تذکرہ موجود نہ ہونے کو اس امر کی دلیل قرار دیتے ہیں کہ خداوند عالم عادل نہیں ہے حالانکہ اگر آنکھیں کھول کر دیکھیں تو اُنھیں صفت عدل کی گواہی نظر آئے گی، پڑھو!

(الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدّین، دین کے معنی؛ جزا، جزا عدالت کا نتیجہ ہے خدا نے اپنے مالک یوم الدین یعنی صاحب روز جزا ہونے کا اعلان کر کے درحقیقت اپنے عادل ہونے کا ثبوت دیا ہے، واللہ یحق الحق بکلماتہ والّذین کفروا حجّتھم داحضۃ عند ربّھم

(ناچیز علی نقی النقوی عفی عنہ)

ازناحیۂ مقدسۂ قم (ایران)

القرآن الحکیم

ترجمہ و تفسیر

مولانا حکیم حافظ فرمان علی صاحب اعلی اللہ مقامہ

امامیہ مشن پاکستان نے افادہ مومنین کے لیے زرِ کثیر صرف کر کے اس قرآن مجید کو شایانِ شان طباعت کے ساتھ شائع کیا ہے۔ صرف ایک ہزار نسخے طبع کرائے گئے ہیں جلد طلب فرمائیے ورنہ اتنے کم ہدیہ پر یہ قرآن مجید آپ کو کہیں نہ مل سکے گا۔

کتابت: جلی اور معیاری • طباعت: اعلیٰ اور صاف

کاغذ: سفید کرنافلی • جلد: مضبوط اور سنہری ڈائی

ھدیہ: ساڑھے بارہ روپے۔ ممبرانِ امامیہ مشن سے صرف دس روپے

(علاوہ محصولڈاک) (ممبری نمبر کا حوالہ ضروری ہے)

آنریری جنرل سیکرٹری امامیہ مشن پاکستان لاہور

-	-	5,000	-	10,000